الرسالہ

Al-Risala

March 1996 • Issue 232 • Rs. 7

غصہ صرف ایک وقتی اشتعال ہے

مگر اس کا انجام آدمی کو برسوں تک بھگتنا پڑتا ہے۔



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

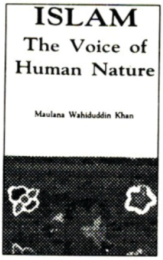
الٓمّٓ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ هُدًی

لِّلۡمُتَّقِیۡنَ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ وَیُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ

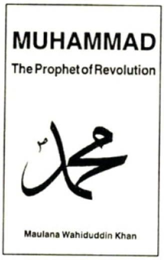
وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ

بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ وَبِالۡاٰخِرَۃِ هُمۡ

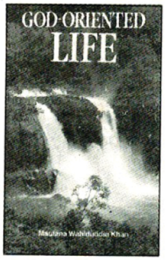
The Islamic Centre Publications



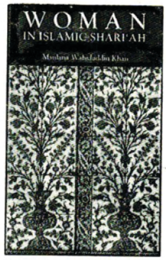
ISLAM: THE VOICE OF HUMAN NATURE
22×14.5cm, 64 pages
ISBN 81-85063-74-5
Rs. 30



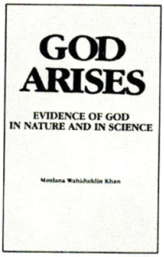
MUHAMMAD: THE PROPHET OF REVOLUTION
22×14.5cm, 228 pages
ISBN 81-85063-00-1
Rs. 85



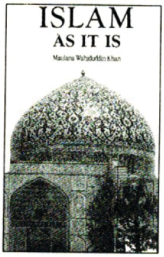
GOD-ORIENTED LIFE
22×14.5cm, 186 pages
ISBN 81-85063-97-4
Rs. 70



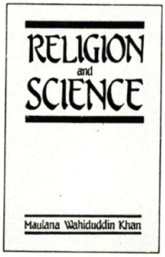
WOMAN IN ISLAMIC SHARI'AH
22×14.5cm, 150 pages
Rs. 65 (Paperback)
Rs. 185 (Hardbound)



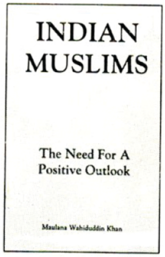
GOD ARISES
22×14.5cm, 271 pages
ISBN 81-85063-14-1
Rs. 85



ISLAM AS IT IS
22×14.5cm, 114 pages
ISBN 81-85063-95-8
Rs. 55



RELIGION AND SCIENCE
22×14.5cm, 96 pages
Rs. 45



INDIAN MUSLIMS
22×14.5cm, 192 pages
Rs. 65 (Paperback)
Rs. 175 (Hardbound)

'INTRODUCTION TO ISLAM' SERIES

In this 'Introduction to Islam' series Maulana Wahiduddin Khan—a famous Islamic thinker and scholar and President of the Islamic Centre, New Delhi—has presented the fundamental teachings of Islam in a simple way. The complete series is as follows:

1. The Way to Find God (20 pages; Rs. 12)
2. The Teachings of Islam (46 pages; Rs. 15)
3. The Good Life (36 pages; Rs. 12)
4. The Garden of Paradise (36 pages; Rs. 15)
5. The Fire of Hell (44 pages; Rs. 15)

The series provides the general public with an accurate and comprehensive picture of Islam—the true religion of submission to God. In the first pamphlet it is shown that the true path is the path that God has revealed to man through His prophets. The second pamphlet provides an introduction to various aspects of the Islamic life under forty-five separate headings. Qur'anic teachings have been summarized in the third pamphlet in words taken from the Qur'an itself. In the fourth pamphlet the life that makes man worthy of paradise has been described and in the last pamphlet the life that will condemn him to hell-fire.

AL-RISALA BOOK CENTRE

1, Nizamuddin West Market, New Delhi 110 013 Tel. 4611128 Fax: 11-4697333

خاتونِ جنّت

مولانا وحید الدّین خاں

Al-Risala Books
1, Nizamuddin West Market, New Delhi 110 013
Tel. 4611128 Fax 91-11-4697333

First published in 1996

خاتونِ جنّت

قرآن میں وہ تمام بنیادی صفات بتائی گئی ہیں جو جنتی خاتون میں ہونا ضروری ہیں۔ یہ صفتیں کسی عورت کو مغفرت اور اجر عظیم کا مستحق بناتی ہیں۔ وہ اس کے لیے آخرت کے عذاب سے نجات کو یقینی بنانے والی ہیں۔ سورہ الاحزاب ۳۵، اور التحریم ۵ کے مطابق، وہ صفات حسب ذیل ہیں :

ایمان، اسلام، قنوت، صدق، صبر، خشوع، صدقہ، صوم، حفظ فروج، ذکر اللہ، توبہ، عبادت، سیاحت۔

۱۔ ایمان سے مراد معرفت رب ہے۔ یعنی اپنے خالق و مالک کو اس طرح شعوری طور پر دریافت کرنا کہ وہ آپ کی سوچ پر چھا جائے۔ وہ آپ کے دل کے اندر سما جائے۔ آپ کی پوری شخصیت خدا کے نور سے نہا اٹھے۔

۲۔ اسلام کے معنی اطاعت کے ہیں۔ اس سے مراد اپنے آپ کو اللہ کے تابع بنانا ہے۔ یعنی آپ کا نفس اللہ کی اطاعت پر پوری طرح قائم ہو جائے۔ آپ اللہ کی پیروی میں اپنی زندگی گزارنے لگیں۔ آپ کی مرضی کا ہر قولی یا عملی اظہار عین اس کے مطابق ہو جس کا اللہ نے حکم فرمایا ہے۔

۳۔ قنوت کا مطلب مخلصانہ فرماں برداری ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ذہن کی پوری یکسوئی اور دل کی پوری آمادگی کے ساتھ اس طریقہ کو اختیار کر لیا جائے جو خدا و رسولؐ نے بتایا ہے۔ تعمیل حکم میں جب قلب کا جھکاؤ اور خضوع شامل ہو جائے تو اسی کو قنوت کہا جاتا ہے۔

۴۔ صدق کے معنی سچائی کے ہیں۔ اس سے مراد قول اور عمل کی مطابقت ہے، یعنی وہی کہنا جو آپ کو کرنا ہے اور وہی کرنا جو آپ نے اپنی زبان سے کہا ہے۔ لوگوں کے درمیان آپ ایک صاحب کردار خاتون کی حیثیت سے زندگی گزاریں۔

۵۔ صبر ایک بہادرانہ صفت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کے احکام پر چلنے کے لیے اگر تکلیف اٹھانا پڑے تب بھی اس سے نہ ہٹنا۔ نفس اور شیطان کا مقابلہ کرتے ہوئے دینی تقاضوں پر جمے رہنا۔ مخالفانہ محرکات کے باوجود خدائی راستہ کو نہ چھوڑنا۔

۶۔ خشوع سے مراد تواضع اور خاکساری ہے۔ خدا کی بڑائی اور اس کے کامل اختیار کے تصور

سے کسی کے اندر جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اسی کو خشوع کہا جاتا ہے ۔ یہ احساس مومن اور مومنہ کو خدا کے آگے بالکل جھکا دیتا ہے ۔ خدا کے خوف سے ان کے دل لرز اٹھتے ہیں اور ان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ۔

۷۔ صدقہ کا مطلب خیرات ہے ۔ یعنی آپ اپنے مال میں سے دوسرے ضرورت مندوں کا حق نکالیں ۔ جس طرح اپنی ضرورت کا احساس آپ کو اپنے اوپر خرچ کرنے کے لیے مجبور کرتا ہے اسی طرح دوسرے حاجت مندوں کی امداد سے بھی بے پروا نہ رہیں ۔

۸۔ صوم کا مطلب اللہ کے لیے روزہ رکھنا ہے ۔ روزہ شکر کی تربیت ہے ۔ روزہ رکھنا گویا اپنے آپ کو اس حالت کی طرف لے جانا ہے جبکہ آپ خدا کے مقابلہ میں اپنی محتاجی کا تجربہ کریں ۔ اور پھر آپ کے اندر اس رزق کے اوپر خدا کے شکر کا جذبہ بیدار ہو جو اس نے اپنے خزانۂ رحمت سے آپ کو عطا کیا ہے ۔

۹۔ حفظ فروج کا لفظی مطلب شرمگاہوں کی حفاظت ہے ۔ یعنی دنیا کی زندگی میں عفت اور پاک دامنی کا طریقہ اختیار کرنا اور بے حیائی والے اعمال سے بچنا ۔ حیا کا فطری پردہ جو خدا نے پیدا کیا ہے اس کا پورا لحاظ رکھنا ۔

۱۰۔ ذکر اللہ کا مطلب اللہ کی یاد ہے ۔ خدا کو بہت زیادہ یاد کرنا خدا کی معرفت کا لازمی نتیجہ ہے ۔ جو کوئی خدا کو حقیقی طور پر پالیتا ہے اس کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ ہر موقع پر اس کو خدا کی یاد آتی ہے ۔ اس کی روح خدا کے تصور سے اس طرح سرشار ہو جاتی ہے کہ بار بار اس کو خدا کی یاد آتی رہے ۔

۱۱۔ توبہ کے لفظی معنی ہیں پلٹنا ۔ یعنی غلطی کرنے کے بعد پھر صحیح روش کی طرف لوٹ آنا ۔ یہ کسی مومنہ کی خاص صفت ہے ۔ امتحان کی اس دنیا میں ہر ایک سے بار بار غلطیاں ہوتی ہیں ۔ ایسے موقع پر یہ ہونا چاہیے کہ نفس کے غلبہ سے جب وقتی طور پر کسی سے غلطی ہو جائے تو اس کے بعد خدا کی پکڑ کا احساس اس پر طاری ہو اور وہ فوراً پلٹ کر خدا سے معافی مانگنے لگے ۔

۱۲۔ عبادت سے مراد پرستش ہے ۔ یعنی وہ خاشعانہ عمل جو خدا کی عظمت اور برتری کو مان کر اس کے سامنے کیا جائے ۔ اس قسم کی پرستش اللہ کے سوا کسی اور کے لیے جائز نہیں ۔ جنّتی خاتون کی پہچان یہ ہے کہ وہ صرف ایک خدا کی پرستار بن گئی ہو ۔

۱۳۔ سیاحت سے مراد روزہ جیسے ریاضتی اعمال ہیں ۔ اس کی روح زہد ہے ۔ کسی مومنہ پر جب آخرت کی فکر اتنی زیادہ غالب آ جائے کہ وہ دنیا سے بے رغبت ہو جائے اور دنیا کی چیزوں میں اس کا شوق باقی نہ رہے تو اس وقت اس کی جو زاہدانہ زندگی بنتی ہے اسی کو یہاں سیاحت کہا گیا ہے ۔

فطرت کا نظام

قرآن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ہر چیز کو جوڑے جوڑے کی صورت میں بنایا ہے
(ومن کل شیئ خلقنا زوجین لعلکم تذکرون) الذاریات ۴۹

اسی اصول فطرت کے مطابق انسان کو بھی دو حصوں کی صورت میں تخلیق کیا گیا ہے، اس کا ایک حصہ مرد ہے اور اس کا دوسرا حصہ عورت۔ یہ خود خالق فطرت کا تخلیقی منصوبہ ہے۔ ہر مرد اور عورت پر لازم ہے کہ وہ اس منصوبہ کو تسلیم کرے۔ اس کو رد کرکے زندگی کا کوئی اور نقشہ بنانا کسی کے لیے ممکن نہیں۔ اس فطری منصوبہ کو ماننے ہی کا نام کامیابی ہے اور اس کو نہ ماننے کا نام ناکامی۔

زوجین کی اس تقسیم کا تقاضا ہے کہ اس کا ہر فریق اپنی حیثیت کو اور اپنے کارِ منصبی کو جانے۔ مرد کو یہ جاننا ہے کہ اس کے حقوق اور اس کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ اسی طرح عورت کو یہ جاننا ہے کہ اس کے حدود کار کیا ہیں۔ زندگی کے نظام میں خالق فطرت نے اس کو کیا درجہ عطا فرمایا ہے۔

ایک لفظ میں اس کا جواب یہ ہے کہ مرد باہر کا منتظم کار ہے اور عورت گھر کی سردار ہے۔ اصولی تقسیم کے مطابق، مرد کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ باہر کے معاملات کو سنبھالے، اور عورت کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ گھر کے امور کو سنوارے اور ان کو درست کرے۔

تاہم اس تقسیم کار کو خوش اسلوبی کے ساتھ چلانے کے لیے ضروری ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی نزاکتوں کو سمجھیں، دونوں ایک دوسرے کے ساتھ کامل تعاون کریں۔

مثلاً مرد جو ماہانہ رقم کماتا ہے، عورت اگر گھر کے اخراجات کا بجٹ اس سے زیادہ بنائے تو گھر کے نظام کا خوش اسلوبی کے ساتھ چلنا ناممکن ہو جائے گا۔ اسی طرح مرد اپنے جن رشتہ داروں کو عزیز رکھتا ہے، عورت ان کے ساتھ رقابت قائم کرلے۔ مرد جن لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہتا ہے، عورت ان کو اپنا دشمن سمجھ لے۔ مرد سماج کے اندر جن تعلقات کو نبھانا چاہتا ہے، عورت ان کو توڑنے کے درپے ہو جائے۔ مرد وسیع تر مفاد کی خاطر جن لوگوں کو دوست رکھنا چاہتا ہے، عورت ان سے قطع تعلق کی وکیل بن جائے۔

اس قسم کی تمام باتیں فطرت کے نظام میں خلل ڈالنے کے ہم معنی ہیں۔ جب بھی کوئی عورت

ایسا کرے گی تو وہ صرف ایک مرد سے عدم موافقت کرنے والی نہیں ہوگی بلکہ وہ خود نظام فطرت سے عدم موافقت کی مجرم قرار پائے گی۔

عورت پر لازم ہے کہ وہ صرف اپنے جذبات کو رہنما نہ بنائے بلکہ خالق فطرت کے منصوبہ پر نظر رکھے۔ وہ اس حقیقت کا اعتراف کرے کہ وہ انسانیت کے وجود کا نصف ہے نہ کہ کل۔ اس کو اپنے جذبات کے ساتھ نظام فطرت کو بھی دیکھنا ہے، اور جہاں اس کے ذاتی احساسات اور فطرت میں ٹکراؤ ہو وہاں اپنے احساسات کو دبانا ہے اور فطرت کے نظام کو خوش دلی کے ساتھ اختیار کر لینا ہے۔

کائنات کا نظام اسی موافقتِ باہمی کے اصول پر چل رہا ہے۔ کائنات کا ہر جزء پورے جذبہ اطاعت کے ساتھ دوسرے اجزاء کائنات کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر اپنا وظیفہ ادا کر رہا ہے۔ یہی معاملہ گھر کے نظام میں بھی مطلوب ہے۔ یہاں بھی عورت کو گھر کے مجموعی نظام سے ہم آہنگی اختیار کرتے ہوئے اپنی زندگی کا نقشہ بنانا ہے، اسی ہم آہنگی میں اس کے لیے ہر قسم کی سعادت اور ترقی کا راز چھپا ہوا ہے۔

گھر کے نظام کو خوش اسلوبی کے ساتھ چلانے کے لیے عورت کو اپنے ساتھ دوسروں کے جذبات کی رعایت کرنا ہے۔ اس کو اپنے حقوق کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں سے بھی آگاہ ہونا ہے۔ اس کو اپنے خونی رشتوں کے احترام کے ساتھ اپنے غیر خونی رشتوں کا بھی پورا لحاظ رکھنا ہے۔ اور یہ سب کچھ یہ سمجھ کر کرنا ہے کہ وہ کسی مرد یا کسی عورت کے سامنے نہیں جھک رہی ہے بلکہ خالق فطرت کے آگے جھک رہی ہے، کیوں کہ خالق فطرت کی مرضی یہی ہے۔

زوجین کے اصول کا ابتدائی مطلب یہ ہے کہ مرد کے ساتھ عورت ہے اور عورت کے ساتھ مرد۔ مگر وسیع تر معنی میں وہ پوری زندگی کو سموئے ہوئے ہے۔ وسیع تر انطباق کے اعتبار سے اس اصول کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں ہر مرد اور عورت ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ زندگی عالمی انسانی اشتراک کا ایک نظام ہے۔ کوئی مرد یا کوئی عورت اس عمومی زنجیر کی صرف ایک کڑی ہے۔ ایک کڑی کے ٹوٹنے سے پوری زنجیر ٹوٹ جاتی ہے۔ اس لیے ہر کڑی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی سالمیت کو آخری حد تک باقی رکھے تاکہ فطرت کا قائم کردہ نظام حیات شکست و ریخت کا شکار نہ ہونے پائے۔

تقسیم کار

ابن ماجہ کی ایک روایت کے مطابق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی چیزوں میں سے کوئی چیز بھی صالح بیوی سے بہتر نہیں (لیس من متاع الدنیا شیئ افضل من المرأۃ الصالحۃ) عورت کی اس خصوصیت کے بہت سے پہلو ہیں۔ ان میں سے ایک پہلو یہ ہے کہ صالح عورت اپنی مخصوص حیثیت کی بنا پر مرد کی بہترین ساتھی اور بہترین مشیر ہے۔ اس معاملہ کو سمجھنے کے لیے یہاں اس نوعیت کے دو واقعے نقل کیے جاتے ہیں۔

۱۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی مکہ کے قریب غار حرا میں اتری۔ یہ آپ کے لیے ایک غیر متوقع تجربہ تھا۔ آپ غار سے نکل کر اپنے گھر میں واپس آئے تو روایات کے مطابق آپ کانپ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے کمبل اڑھاؤ۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ کو کمبل اڑھا دیا۔ کچھ دیر کے بعد جب آپ کی دہشت کم ہوئی تو آپ نے حضرت خدیجہ سے وہ پورا قصہ بیان کیا جو غار حرا کی تنہائی میں آپ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ واقعہ اتنا سخت تھا کہ مجھ کو اپنی جان کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ حضرت خدیجہ نے آپ کو تسلّی دیتے ہوئے اس وقت یہ الفاظ کہے:

کلا واللہ ما یخزیک اللہ ابدا، انک لتصل الرحم وتحمل الکلّ وتکسب المعدوم وتُقرِی الضیف وتعین علی نوائب الحق

ہرگز نہیں، خدا کی قسم، اللہ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا، آپ رشتہ داروں کے حقوق ادا کرتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، گمنام لوگوں کو کماتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور قدرتی آفتوں کے شکار لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسلی دینے کے لیے جو کلمات کہے وہ بلاشبہ اپنے موقع کے لحاظ سے بہترین کلمات تھے۔ یہاں یہ سوال ہے کہ حضرت خدیجہ کے لیے کیسے یہ ممکن ہوا کہ اس نازک موقع پر ایسے پر اعتماد الفاظ کہہ سکیں۔ اس کی خاص وجہ آپ کا مذکورہ طوفان خیز تجربہ سے الگ رہنا ہے۔ زندگی کی سرگرمیوں میں بار بار ایسے گمبھیر مسائل آتے ہیں جن میں بعض اوقات وہ شخص غیر متاثر رائے قائم نہیں کر پاتا جو خود مسئلہ کے اندر گھرا ہوا ہو۔ ایسے وقت میں ضرورت ہوتی ہے کہ آدمی کے پاس ایک

ایسا مشیر ہو جو خود مسئلہ سے متعلق نہ ہو تاکہ اس کی بابت وہ غیر متاثر ذہن کے تحت رائے قائم کر سکے۔ حضرت خدیجہ کا مذکورہ قول اسی کی ایک مثال ہے۔

اسلام نے عورت اور مرد کے درمیان تقسیم کار کا اصول رکھا ہے، اس تقسیم سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں ان میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے۔ عورت اپنے شعبہ میں مصروف ہوتی ہے اور مرد اپنے شعبہ میں۔ اس طرح دونوں ایک دوسرے کے معاملات سے براہ راست طور پر غیر متعلق ہو جاتے ہیں۔ ہر فریق اس پوزیشن میں ہوتا ہے کہ دوسرے فریق کے معاملہ میں غیر متاثر ذہن کے ساتھ سوچے۔ اور اپنے بے لاگ مشورہ سے اس کی مدد کر سکے۔ اس تقسیم کار کے نتیجہ میں عورت اور مرد دونوں کو ایسے قابل اعتماد ساتھی مل جاتے ہیں جو ایک دوسرے کے لیے بہترین مشیر بن سکیں۔

۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قریش مکہ سے وہ معاہدہ کیا جو معاہدۂ حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے، تو صحابہ میں سخت بے چینی پھیل گئی۔ کیونکہ یہ معاملہ بظاہر دب کر کیا گیا تھا اور اس میں کئی باتیں صریح طور پر مخالفین کے حق میں تھیں۔ لوگوں میں اس قدر غم و غصہ تھا کہ معاہدہ کی تکمیل کے بعد جب آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ قربانی کے جانور جو تم اپنے ساتھ لائے ہو، یہیں ذبح کر دو اور سر منڈالو تو ایک شخص بھی اس کے لیے نہ اٹھا۔ آپ نے تین بار اپنے حکم کو دہرایا پھر بھی سب لوگ خاموش رہے۔ آپ رنج کی حالت میں وہاں سے لوٹ کر اپنے خیمہ میں گئے جہاں آپ کی اہلیہ ام سلمہؓ موجود تھیں۔ انھوں نے آپ کو غمگین دیکھ کر پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ آج وہ ہوا جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ میں نے مسلمانوں کو حکم دیا مگر ان میں سے کوئی بھی میرے حکم کی تعمیل کے لیے نہ اٹھا۔

ام سلمہؓ نے کہا۔ اے اللہ کے رسولؐ۔ اگر آپ کی رائے یہی ہے تو آپ میدان میں تشریف لے جائیں اور کسی سے کچھ کہے بغیر اپنا قربانی کا جانور ذبح کریں اور سر منڈالیں۔ آپ خیمہ سے باہر نکلے اور کسی سے کچھ کہے بغیر اپنی قربانی ذبح کی اور نائی کو بلا کر سر منڈایا۔ جب صحابہ نے یہ دیکھا تو سب نے اٹھ کر اپنی اپنی قربانیاں ذبح کر دیں۔ کیوں کہ انھوں نے محسوس کر لیا کہ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

حضرت خدیجہؓ کی طرح ام سلمہؓ کو اس نازک مواقع پر جو قیمتی بات سوجھی وہ اس لیے سوجھی کہ وہ اصل معاملہ سے الگ تھیں۔ اور اس بنا پر وہ اس پوزیشن میں تھیں کہ غیر متاثر ذہن کے تحت اس کے بارے میں رائے قائم کر سکیں۔ بصورتِ دیگر ان کے لیے ایسا کرنا شاید ممکن نہ ہوتا۔

بہترین خزانہ

قرآن میں ہے کہ : اے ایمان والو، اہل کتاب کے اکثر علماء اور مشائخ لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں۔ اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو ایک دردناک عذاب کی خوش خبری دے دو۔ اس دن اس مال پر دوزخ کی آگ دہکائی جائے گی۔ پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی —— یہی ہے وہ جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کیا تھا۔ پس اب چکھو جو تم جمع کرتے رہے (التوبہ ۳۴ - ۳۵)

یہ آیت قرآن میں اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بُرا ہو سونے کا اور بُرا ہو چاندی کا۔ یہ بات صحابہ پر بہت شاق گزری۔ انھوں نے آپس میں کہا کہ پھر اور کون سا مال ہم اپنے پاس رکھیں۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں رسول اللہؐ کے پاس جاکر اس کی بابت دریافت کروں۔ لوگوں نے کہا کہ ضرور۔

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور کہا کہ آپ کے اصحاب پر یہ بات بہت شاق ہو رہی ہے، وہ کہہ رہے ہیں کہ پھر ہم کون سا مال اکٹھا کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : نعم ، فيتّخِذُ احَدُكم لساناً ذاكراً وقلباً شاكراً و زوجةً تُعينُ احدكم علىٰ إيمانه (ہاں، تم میں سے جس شخص کو اپنانا ہے وہ خدا کو یاد کرنے والی زبان کو اپنائے، وہ شکر کرنے والا دل اپنائے اور ایک ایسی بیوی کو اپنائے جو اس کے دین میں، اس کی آخرت کے معاملہ میں اس کی مدد کرے۔ (تفسیر طبری ۱۰/ ۲۱-۱۲۰)

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تم کو بتاؤں کہ بہترین خزانہ کیا ہے جس کو آدمی اپنے لیے جمع کرے۔ بہترین خزانہ وہ صالح عورت ہے کہ جب مرد اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کو خوش کر دے اور جب وہ اس سے کوئی بات کہے تو وہ اس کی تعمیل کرے۔ اور جب وہ گھر میں موجود نہ ہو تو نفس اور مال میں اس کی حفاظت کرے (الا اخبرك بخير ما يكنز المرء - المرأة الصالحة التى اذا نظر اليها سرته واذا امرها

(طاعتہ واذا غاب عنہا حفظتہ فی نفسہا ومالہ) تفسیر ابن کثیر ۲/۳۵۱

اس حدیث میں عورت کو کسی مرد کے لیے سب سے اچھا خزانہ کہا گیا ہے۔ اور یہ بات صد فی صد درست ہے۔ سونا اور چاندی یا مال صرف مادی ضرورت پورا کرتے ہیں۔ مگر ایک صالح خاتون گھر کو اور خاندان کو خوشی اور سکون اور محبت کا گہوارہ بناتی ہے۔

ایک صالح خاتون اپنے میٹھے بول سے گھر میں مٹھاس بکھیرتی ہے۔ وہ اپنے اچھے اخلاق سے پورے ماحول کو انسانیت کا ماحول بناتی ہے۔ اس کا شریفانہ برتاؤ ہر ایک کو شرافت کی تربیت دینے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس کی پیدائشی نرمی اس کو نرم گفتار اور نرم کردار بناتی ہے، اور پھر گھر کی پوری فضا اسی رنگ میں رنگ جاتی ہے۔

عورت اپنی فطری صلاحیت اور اپنے فطری حالات کے اعتبار سے گھر کی انچارج ہے۔ گھر کے نظام میں اس کو مرکزی شخصیت کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے گھر کے بننے یا بگڑنے میں اس کا رول بے حد اہم ہے۔ ایک عورت کے بننے سے گھر بنتا ہے اور ایک عورت کے بگڑنے سے گھر بگڑ جاتا ہے۔ اسی لیے عورت کو بہترین خزانہ کہا گیا ہے۔

عورت کی کامیابی کا معیار یہ ہے کہ وہ گھر کو مسرتوں کا باغ بنائے۔ اس کے شوہر کو اور گھر کے دوسرے افراد کو اس سے خوشی کا تحفہ مل رہا ہو۔ ہر ایک کے لیے اس کا وجود نفع بخشی اور فیض رسانی کا ذریعہ بن گیا ہو۔ شوہر کو اور گھر کے افراد کو یہ یقین ہو کہ خواہ وہ موجود ہوں یا غیر موجود ہوں۔ ہمیشہ گھر کے اندر ان کا ذکر خیر خواہی کے ساتھ کیا جائے گا۔ ہمیشہ ان کو وہ سلوک ملے گا جو ان کی دنیا و آخرت کے لیے سب سے بہتر ہو۔

عورت گھر کا خزانہ ہے، بلکہ سب سے اچھا خزانہ۔ عورت گھر کے باغ کا پھول ہے، بلکہ سب سے اچھا پھول۔ عورت گھر کی دنیا کی روشنی ہے، بلکہ سب سے اچھی روشنی۔ مگر کوئی عورت اپنا یہ فطری کردار اسی وقت ادا کرسکتی ہے جب کہ وہ باشعور ہو، جب کہ وہ اپنے احساسات کے ساتھ دوسروں کے احساسات کو بھی جانے۔ جب کہ اس کے اندر یہ عزم ہو کہ وہ بہر حال اس انسانی کردار کو ادا کرے گی جو خالق نے اس کے لیے مقرر کیا ہے، خواہ اس کے لیے اسے صبر و برداشت کی قربانی کیوں نہ دینا پڑے۔

خیر کثیر

قرآن کی سورہ نمبر ۴ میں ایک مقام پر مردوں کو اس پر تنبیہہ کی گئی ہے کہ وہ عورت کی کسی کمزوری سے فائدہ اٹھاکر اس پر ظلم و زیادتی کریں۔ اس سلسلہ میں ضروری احکام دینے کے بعد ایک اصولی اور جامع تعلیم دی گئی ہے جو یہ ہے :

وعاشروهن بالمعروف فإن كرهتموهن فعسى أن تكرهوا شيئاً ويجعل الله فيه خيراً كثيرا۔ (النساء ۱۹)

اور ان کے ساتھ اچھی طرح گزر بسر کرو۔ اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تم کو پسند نہ ہو مگر اللہ نے اس میں تمہارے لیے بہت بڑی بھلائی رکھ دی ہو۔

اس آیت کا ابتدائی خطاب مردوں سے ہے۔ مگر وسیع تر انطباق کے اعتبار سے اس کا تعلق مرد اور عورت دونوں سے ہے۔ اس میں دونوں ہی کے لیے یکساں رہنمائی موجود ہے۔ نکاح کے بعد خوش اسلوبی کے ساتھ نباہ کرنا جس طرح مردوں کے لیے ضروری ہے اسی طرح وہ عورتوں کے لیے بھی ضروری ہے۔

مرد اگر محسوس کرے کہ اس کی ہونے والی بیوی میں کوئی جسمانی یا مزاجی کمزوری ہے تو اس کی بنا پر اسے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ اس کو برداشت کرتے ہوئے عورت کو موقع دینا چاہیے کہ وہ اللہ کی دی ہوئی اپنی دوسری خصوصیات کو بروئے کار لائے اور اس طرح گھر کی تعمیر میں اپنا حصہ ادا کرے۔ شوہر کو چاہیے کہ وہ ظاہری ناپسندیدگی کو بھلا کر باہمی تعلق کو نبھائے۔

یہی معاملہ عورت کا بھی ہے۔ عورت کے ساتھ بھی یہ صورت پیش آسکتی ہے کہ نکاح کے بعد اس کو احساس ہو کہ اس کے شوہر میں فلاں کمزوری ہے۔ وہ سمجھے کہ میری قسمت خراب ہو گئی۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ اس کو جاننا چاہیے کہ اس دنیا میں یہ ممکن نہیں کہ کوئی عورت ایسا کامل مرد پالے جس میں اس کے نقطۂ نظر سے کسی قسم کی کوئی کمی نہ ہو۔ اس لیے عورت کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ نباہ کے اصول کو اختیار کرے۔ جب وہ ایسا کرے گی تو وہ پائے گی کہ اس کے شوہر میں اگر ایک اعتبار سے کمی تھی تو دوسرے اعتبار سے اس کے اندر ایسی خوبیاں تھیں جن کے ہوتے ہوئے کمی کی کوئی اہمیت نہیں۔

ایسا کرنا کسی عورت یا کسی مرد سے موافقت کرنا نہیں ہے بلکہ وہ خود فطرت کے نظام سے موافقت کرنا ہے۔ اور جب معاملہ کسی عورت یا کسی مرد کا نہ ہو بلکہ فطرت کا ہو تو آدمی کے لیے اس کے سوا کوئی اور صورت ممکن ہی نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں کسی خاندان اور اسی طرح کسی معاشرہ کی ترقی و استحکام کا راز یہ ہے کہ اس کے افراد ایک دوسرے کی کمیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کی خوبیوں کو ظہور میں آنے کا موقع دیں۔ جو لوگ اللہ کی خاطر موجودہ دنیا میں اس صبر کا ثبوت دیں وہی وہ لوگ ہیں جو آخرت کی جنتوں میں داخلہ کا پروانہ حاصل کریں گے۔

مذکورہ اصول اس سورہ میں اگرچہ شوہر اور بیوی کے تعلق کے بارہ میں آیا ہے۔ مگر اس کے اندر ایک عمومی تعلیم بھی موجود ہے۔ قرآن کا یہ عام اسلوب ہے کہ ایک متعین معاملہ کا حکم دیتے ہوئے اس کے درمیان ایسی کلی ہدایت دے دی جاتی ہے جس کا تعلق پوری انسانی زندگی سے ہو۔

دنیا کی زندگی میں انسان کے لیے مل جل کر رہنا بالکل ضروری ہے۔ کوئی عورت یا مرد دوسروں سے الگ تھلگ زندگی نہیں گزار سکتے۔ اب چونکہ لوگوں کی صلاحیتیں مختلف ہیں۔ ہر ایک کی طبیعت الگ الگ ہے اس لیے جب بھی کچھ لوگ مل کر رہیں گے تو ان کے درمیان لازماً اختلاف اور شکایت والی باتیں پیدا ہوں گی، ایسی حالت میں زندگی گزارنے کی قابل عمل صورت صرف یہ ہے کہ شکایتوں کو نظر انداز کیا جائے۔ اور خوش اسلوبی کے ساتھ تعلق کو نبھانے کا اصول اختیار کیا جائے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اپنے ساتھی کی ایک کمی یا خرابی دوسرے کے سامنے آتی ہے۔ وہ فوراً اس سے دل برداشتہ ہو جاتا ہے اور بس اسی کو لے کر اپنے ساتھی سے روٹھ جاتا ہے۔ حالانکہ اگر وہ سوچے تو وہ پائے گا کہ ہر ناموافق صورت حال میں ایک یا ایک سے زیادہ موافق پہلو موجود ہے۔

مثلاً کسی عورت یا مرد میں اگر ظاہری کشش کم ہو تو اس کے اندر علمی صلاحیت زیادہ ہو گی۔ اگر اس کے مزاج میں کوئی پہلو ناپسندیدہ ہو تو عین ممکن ہے کہ اس کے اندر ذہنی اعتبار سے اعلیٰ صلاحیت موجود ہوں۔ اگر کوئی شخص ابتدائی مرحلہ میں کم پیسہ والا ہے تو اس کے اندر یہ استعداد ہو سکتی ہے کہ وہ محنت کر کے آئندہ بڑی بڑی ترقیاں حاصل کر لے۔

یہ فطرت کا نظام ہے، اور فطرت کے نظام میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔

اخلاق نسواں

اخلاق اس اجتماعی سلوک کا نام ہے جو دوسروں سے معاملات اور تعلقات کے دوران کوئی مرد یا عورت انجام دیتا ہے۔ اسلام کا حکم ہے کہ ایسے ہر موقع پر لوگوں کے ساتھ اچھا اخلاقی سلوک کیا جائے۔ یہ حکم عورت سے بھی اتنا ہی متعلق ہے جتنا کہ وہ مرد سے متعلق ہے۔

آپ کے لیے فرض کے درجہ میں ضروری ہے کہ جب آپ اپنی زبان کھولیں تو جھوٹ کے لیے نہ کھولیں بلکہ سچ کے لیے کھولیں۔ ہمیشہ انصاف کی بات بولیں۔ کسی کے خلاف الزام تراشی نہ کریں۔ بلکہ وہ بات کہیں جس میں دوسروں کے لیے خیر خواہی پائی جاتی ہو۔ آپ کا بولنا سچائی کے اظہار کے لیے ہو نہ کہ سچائی کو چھپانے کے لیے۔ جب کوئی حق آپ کے سامنے پیش کیا جائے تو فوراً اس کا اعتراف کرلیں، آپ کی زبان سے کبھی پست بات نہ نکلے بلکہ جب بھی نکلے تو اعلیٰ انسانیت کی بات نکلے۔ آپ کا کلام تواضع، شرافت، شکر گزاری، خیر پسندی اور اعتراف حق کے احساسات سے بھرا ہوا ہو۔

قرآن میں ہے کہ جو کوئی نیک عمل کرے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن ہو، تو ہم اس کو جلائیں گے اچھا جلانا (مَن عمل صالحاً من ذكر أو أنثى وهو مومن فلنحيينه حياة طيبة) النحل ۹۷

اس سے معلوم ہوا کہ صالح اعمال یا اچھے اخلاق کا تعلق صرف دوسروں سے نہیں ہے، جو لوگ ایسا کریں خود ان کی ذات کو اس کا یقینی فائدہ سب سے پہلے پہنچتا ہے

جب آپ سچ بولیں تو اس سے آپ کو ایک خاص قسم کا روحانی سکون ملتا ہے۔ آپ کے اندر ایک بے تضاد شخصیت پرورش پانے لگتی ہے۔ جب خاندان کے ایک فرد سے آپ کو تکلیف پہنچے اور آپ اللہ کی خاطر اس کو بھلا دیں اور اس کے حق میں نیک دعا کریں تو آپ کے اندر انسانی خیر خواہی کا ایک چشمہ ابل پڑتا ہے جس کی ٹھنڈک آپ کے دل و دماغ تک پہنچتی ہے۔ اگر آپ کے لڑکے اور کسی دوسرے لڑکے کے درمیان تکرار ہوتی ہے، اس وقت آپ کا رویہ بیٹے کی طرف داری کا نہیں ہوتا بلکہ حق کی طرف داری کا ہوتا ہے تو ایسی روش سے آپ کو ایک ایسا ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے جو بھاری قیمت دے کر بھی خریدا نہیں جا سکتا۔

اوپر کی آیت میں جس چیز کو حیات طیبہ (اچھی زندگی) کہا گیا ہے۔ وہی دنیا میں ضمیر کے اطمینان

اور دل کے سکون کا ذریعہ ہے۔ اور یہی حیات طیبہ کسی کو اس قابل بناتی ہے کہ آخرت میں اس کے لیے جنت کے ابدی دروازے کھولے جائیں۔

جنت کس کو ملے گی، اس عورت یا مرد کو جسے یہاں حیات طیبہ ملی۔ جس کا دماغ نور الٰہی سے روشن ہوا۔ جس کے دل میں ربانی کیفیات کے چشمے پھوٹے۔ جس کا سینہ یاد خداوندی کے طوفان سے آشنا ہوا۔ جس کی آنکھوں نے خدائی منظر کے سوا ہر دوسرے منظر کو دیکھنے سے انکار کردیا۔ جس کے ہاتھ اٹھے تو خدا کے لیے اٹھے۔ جس کے قدم متحرک ہوئے تو خدا کے لیے متحرک ہوئے۔ جس کی زبان گویا ہوئی تو لوگوں کو اس سے خدائی محبت اور انسانی خیر خواہی کی باتیں سننے کو ملیں۔

حدیث میں ہے کہ تم دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرو جو سلوک اپنے لیے پسند کرتے ہو۔ یہ اصول مومن عورت کے لیے بھی ہے اور مومن مرد کے لیے بھی۔ یہ نہایت سادہ کسوٹی ہے جس سے کوئی عورت یا مرد ہر لمحہ جان سکتا ہے کہ اس کو دوسروں کے ساتھ کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے۔

ہر ایک کو معلوم ہے کہ بدگوئی اسے پسند نہیں، اس لیے وہ دوسروں کے خلاف بھی بدگوئی نہ کرے اور ہمیشہ میٹھے کلام سے دوسروں کا استقبال کرے۔ اسی طرح ہر ایک کو معلوم ہے کہ اس کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کیا جائے تو اس کو پسند آئے گا، اب اس کو چاہیے کہ وہ ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی برتے، کسی کے ساتھ بھی بدخواہی کا معاملہ نہ کرے۔ ہر ایک کو معلوم ہے کہ کوئی اس کو نفع پہنچائے تو اس کو خوشی ہوتی ہے۔ اب ہر ایک کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے لیے نفع بخش بنے، وہ اپنی ذات سے کبھی کسی کو نقصان نہ پہنچائے۔ ہر ایک کو معلوم ہے کہ کوئی شخص اس کی راہ میں رکاوٹ بنے تو ایسی روش اس کو ناپسند ہوتی ہے، اب اس کو سخت احتیاط کرنا چاہیے کہ اس کی کوئی روش کسی کی راہ روکنے کے ہم معنی بن جائے۔

برے اخلاق کی جڑ عام طور پر دو چیزیں ہوتی ہیں ——— حرص اور غصہ۔ حرص کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے واجبی حق سے زیادہ کا خواہش مند بن جائے۔ جب بھی کوئی مرد یا عورت اس طرح حرص کا شکار ہو جائیں تو اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر ایسا ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کے لیے تکلیف کا سبب بن جاتے ہیں۔ غصہ یہ ہے آدمی اپنے مزاج کے خلاف باتوں کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ یہ بہت برا مزاج ہے۔ اس کی بھاری قیمت دینی پڑتی ہے، اور وہ خدا کی رحمت سے محرومی ہے۔

روزمرّہ کی زندگی

عورت کی زندگی صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک کیسی ہونی چاہیے۔ اس کا نقشہ شریعت میں مکمل طور پر دیا گیا ہے۔ اس کا ایک خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

سب سے پہلا کام صبح کو سویرے اٹھنا ہے۔ جو خواتین صبح کو سویرے نہیں اٹھتیں وہ ہر دن کم از کم اپنا بہترین دو گھنٹہ ضائع کرتی ہیں۔ یہ ضائع شدہ وقت ایک دن میں صرف دو گھنٹہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر اسی طرح ۱۰ سال ہوتا رہے تو ضائع شدہ گھنٹوں کی مقدار سات ہزار گھنٹوں سے بھی زیادہ ہو جائے گی۔ یہ خاندان کے صرف ایک ممبر کے ضائع شدہ گھنٹے ہیں۔ اسی طرح تمام افرادِ خاندان کے ضائع شدہ گھنٹوں کا شمار کیا جائے تو وہ کتنا زیادہ ہو جائے گا۔

گھر کی خاتون جب سویرے اٹھیں تو دوسرے لوگ بھی سویرے اٹھیں گے۔ پھر سب لوگ وضو کر کے فجر کی نماز ادا کریں گے۔ اس طرح سویرے اٹھنا ایک طرف جسم کو اور دوسری طرف روح کو پاک کرنے کا ذریعہ بن جائے گا۔ اسی طرح صبح کو سویرے اٹھنے کے نتیجہ میں دن بھر کے سارے پروگرام اپنے وقت پر انجام پائیں گے، کیوں کہ جب آغاز درست ہو تو انجام بھی یقیناً درست رہنا ہے۔

صبح کو سویرے اٹھنے کی صورت میں دن بھر کے تمام پروگرام ٹھیک وقت پر انجام پائیں گے۔ بچے تیار ہو کر وقت پر اسکول پہنچیں گے۔ مرد تیار ہو کر وقت پر اپنے معاشی کام میں لگ جائے گا۔ صبح سویرے گھر کی صفائی ہو جائے گی۔ باورچی خانہ سے لے کر مارکٹ تک ہر چیز کا نظام ٹھیک طور پر انجام پائے گا۔ گھر کے پورے ماحول میں چستی، باقاعدگی اور ذمہ داری کی فضا دکھائی دے گی۔ پانچ وقت کی نماز جو ہر مومن اور مومنہ پر فرض ہے، وہ صحیح وقت پر انجام دی جاتی رہے گی۔

مزید آپ کو جاننا چاہیے کہ گھر کا انتظام اور نماز، یہ دونوں الگ الگ چیزیں نہیں ہیں بلکہ نہایت شدّت کے ساتھ ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں۔

قرآن میں حکم دیا گیا ہے کہ (اقم الصلاۃ لذکری (طٰہٰ ۱۴) یعنی میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ پانچ وقت کی نماز دراصل ہر وقت کی نماز کی یاد دہانی ہے۔ یہ ہر وقت کی نماز کیا ہے۔ وہ ذکر ہے، یعنی اللہ کی یاد۔ آپ کو یہ کرنا ہے کہ دن بھر کی تمام سرگرمیوں میں اللہ کو یاد کرتے رہیں۔

صبح کو آپ سو کر اٹھیں تو اس احساس کے ساتھ اٹھیں کہ نیند کیسی عجیب نعمت ہے۔ اس نے کل دن بھر کی میری تھکن دور کر دی۔ اس نے نیا دن شروع کرنے کے لیے مجھے دوبارہ تازہ دم کر دیا۔ یہ احساس آپ کی زبان سے شکر کے کلمات کی صورت میں نکل پڑے۔

اسی طرح دن بھر آپ جو کام کریں وہ سب آپ کو خدا کی یاد دلانے والا بن جائے۔ مثلاً آپ اپنے بچہ کو اسکول جانے کے لیے تیار کر رہی ہیں، اس وقت بچے کو دیکھ کر اگر آپ یہ کہہ اٹھیں کہ ایک انسانی بچہ کیسا عجیب معجزہ ہے، کیسا عجیب رحمت اور عظمت والا ہے وہ خدا جس نے انسانی بچّہ جیسی عجیب چیز کی تخلیق کی۔ آپ کا بچہ اگر آپ کے اندر اس قسم کے تصورات جگانے کا ذریعہ بن جائے تو یہ سونے اور چاندی کے تمام ڈھیر سے زیادہ قیمتی ہے۔

آپ باورچی خانہ میں روٹی اور سالن پکا رہی ہیں۔ آپ کو یاد آیا کہ یہ گیہوں، یہ چاول، یہ سبزی قدرت کے کیسے عجیب نمونے ہیں۔ خدا نے کروروں سال کے عمل کے دوران زمین کی اوپری تہہ کو زرخیز بنایا۔ اس نے ہائیڈروجن اور آکسیجن کے ایٹموں کو ملا کر حیرت انگیز طور پر پانی جیسی نعمت پیدا کی۔ اس طرح کے بے شمار اسباب کو وجود دینے کے بعد یہ ممکن ہوا کہ زمین میں کسی چیز کا بیج ڈالا جائے اور وہ پودے اور درخت کی صورت اختیار کر کے انسان کے لیے غذا کی فراہمی کا ذریعہ بن جائے۔ جب آپ اس طرح سوچیں گی تو آپ کا باورچی خانہ اور پورا گھر آپ کے لیے عبادت خانہ بن جائے گا۔ آپ کی نماز صرف پانچ وقت کی نماز نہیں ہوگی بلکہ وہ ذکر کی صورت میں سارے دن اور ساری رات جاری رہے گی۔

اس طرح دن گزارتے ہوئے ظہر کا وقت آتا ہے اور گھر کے تمام افراد نماز ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں اپنے اپنے وقت پر پڑھتی ہیں۔ پھر رات کا کھانا کھا کر اللہ کا شکر ادا کرتی ہیں کہ اس نے کائناتی انتظام کے تحت آپ کے لیے پانی اور کھانے کا انتظام کیا۔

عشاء کی نماز اور گھر کے ضروری کاموں کی تکمیل کے بعد وہ وقت آجاتا ہے جب کہ آپ سو جائیں۔ اب آپ معوذتین (قرآن کی آخری دو سورتیں) پڑھ کر اپنے بستر پر سو جائیے۔ جب آپ نے سارا دن پاک خیالات میں گزارا ہے تو اب آپ کو نہایت سکون کی نیند آئے گی۔ رات گزار کر صبح کو اٹھنا آپ کے لیے ایسا بن جائے گا جیسے دوبارہ نئی اور تر و تازہ زندگی حاصل کر لینا۔

حسن معاشرت

قرآن کی سورہ نمبر ۴۹ میں مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو ایک جامع ہدایت دی گئی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے : مسلمان سب بھائی بھائی ہیں۔ پس اپنے بھائیوں کے درمیان اصلاح کراؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اے ایمان والو، نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں دوسروں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا برا ہے۔ اور جو باز نہ آئیں تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ اے ایمان والو، بہت سے گمانوں سے بچو، کیوں کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اور ٹوہ میں نہ لگو۔ اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے، اس کو تم خود ناگوار سمجھتے ہو۔ اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے (الحجرات ۱۰-۱۲)

ان قرآنی آیتوں کا خطاب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں دونوں سے ہے۔ دونوں ہی کی فلاح کا طریقہ وہ ہے جو ان آیتوں میں بتایا گیا ہے۔

مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں کس طرح رہیں، اس کا جواب ایک لفظ میں یہ ہے کہ وہ اس طرح رہیں جس طرح بھائی اور بہن آپس میں رہتے ہیں۔ بھائی اور بہن خونی رشتہ کی بنا پر باہم محبت کے ساتھ مل کر رہتے ہیں۔ اسی طرح دینی بھائیوں اور دینی بہنوں کو بھی محبت اور خیر خواہی کے ساتھ باہم مل کر رہنا چاہیے۔

کوئی عورت یا مرد دوسرے کا مذاق کیوں اڑاتا ہے، اس لیے کہ وہ دوسرے کی بڑائی کو ماننا نہیں چاہتا۔ ہر آدمی کے اندر پیدائشی طور پر بڑا بننے کا جذبہ چھپا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی عورت یا مرد کو جب کسی دوسرے کی کوئی نازک بات مل جائے تو وہ اس کو خوب نمایاں کرتا ہے تاکہ اس طرح دوسرے کو چھوٹا ثابت کرے اور اپنی بڑائی کی تسکین حاصل کر سکے۔

ایسے عورت اور مرد دوسروں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ وہ دوسروں پر عیب لگاتے ہیں، وہ

دوسروں کو برے نام سے یاد کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ سے اپنے اس جذبہ کی تسکین حاصل کریں کہ وہ دوسروں سے بڑے ہیں۔

مگر اچھا اور برا، یا بڑا اور چھوٹا ہونے کا معیار وہ نہیں ہے جو کوئی عورت یا مرد بطور خود مقرر کرلے۔ اچھا دراصل وہ ہے جو خدا کی نظر میں اچھا ہو، اور برا وہ ہے جو خدا کی نظر میں برا ٹھہرے۔

اگر کسی عورت یا کسی مرد کے اندر فی الواقع اس کا احساس پیدا ہو جائے تو اس کے بعد اس سے بڑائی کا جذبہ چھن جائے گا۔ دوسروں کا مذاق اڑانا، دوسروں کو طعنہ دینا، دوسروں پر عیب لگانا، دوسروں کو برے لقب سے یاد کرنا، اس قسم کی تمام چیزیں ان کو بے معنی معلوم ہونے لگیں گی۔ کیوں کہ وہ جانیں گے کہ لوگوں کے درجہ اور مرتبہ کا اصل فیصلہ خدا کے یہاں ہونے والا ہے۔ ایسی حالت میں اگر میں کسی کو حقیر سمجھوں اور آخرت کی حقیقی دنیا میں وہ باعزت قرار پائے تو میرا اس کو حقیر سمجھنا کس قدر بے معنی ہوگا۔

ایک عورت یا مرد کو کسی کے خلاف بدگمانی ہو جائے تو اس کی ہر بات اس کو غلط معلوم ہونے لگتی ہے۔ اس کے بارہ میں اس کا ذہن منفی رخ پر چل پڑتا ہے۔ وہ اس کی خوبیوں سے زیادہ اس کے نقائص تلاش کرنے لگتا ہے۔ اس کی برائیوں کو بیان کرکے اسے بے عزت کرنا اس کا محبوب مشغلہ بن جاتا ہے، یہ طریقہ انتہائی حد تک ایمان اور تقویٰ کے خلاف ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اکثر معاشرتی خرابیوں کی جڑ بدگمانی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہر ایک اس معاملہ میں چوکنا رہے، وہ کسی بھی حال میں بدگمانی کو اپنے ذہن میں داخل نہ ہونے دے۔

آپ کو کسی کے بارہ میں الٹی خبر ملے تو اس کی تحقیق کیجیے۔ آپ کو کسی سے بدگمانی ہو جائے تو اس سے مل کر اس کے بارہ میں اس سے گفتگو کیجیے۔ یہ سخت غیر اسلامی اور غیر اخلاقی بات ہے کہ کسی کی غیر موجودگی میں اس کو برا کہا جائے جب کہ وہ اپنی صفائی دینے کے لیے وہاں موجود نہ ہو۔ وقتی طور پر کبھی کسی عورت یا مرد سے اس قسم کی ایک غلطی ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر وہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں تو وہ اپنی غلطی پر ڈھیٹ نہ ہوں گے۔ ان کا خوفِ خدا ان کو فوراً اپنی غلطی پر متنبہ کر دے گا۔ پھر وہ اپنی غلط روش کو چھوڑ دیں گے اور اللہ سے معافی کے طالب بن جائیں گے۔

مومن کا گھر

قرآن کی سورہ نمبر ۳۳ میں ازواج مطہرات (پیغمبرؐ کی بیویوں) کو خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ : اور تم لوگ اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور سابقہ جاہلیت کا سا انداز اختیار نہ کرو۔ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ اللہ تو چاہتا ہے کہ تم اہل بیت سے آلودگی کو دور کرے اور تم کو پوری طرح پاک کر دے اور تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات اور حکمت کی جو تعلیم ہوتی ہے اس کو یاد رکھو۔ بے شک اللہ باریک بیں ہے، خبر رکھنے والا ہے (الاحزاب ۳۳-۳۴)

ابتدائی مفہوم کے اعتبار سے ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ ازواج رسولؐ کو اپنے گھروں میں کس طرح رہنا چاہیے۔ انھیں جاہلی نمائش کا طریقہ چھوڑ کر متانت کے ساتھ گھر میں قیام کرنا چاہیے۔ ان کے گھر کو ذکر و نماز اور زکوٰۃ و صدقات کی ادائگی کا مرکز ہونا چاہیے۔ معاملات زندگی میں ان کی روش خدا و رسول کی اطاعت پر مبنی ہونا چاہیے۔ ان کے گھر میں قرآن کی تعلیمات کا چرچا ہونا چاہیے۔ ان کے گھر میں حکمت اور معرفت کی باتوں کا ماحول دکھائی دینا چاہیے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی جس طرح تمام مسلمانوں کی زندگی کے لیے نمونہ تھی، اسی طرح آپ کا گھر بھی تمام گھروں کے لیے نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ قیامت تک تمام مسلم مردوں اور تمام مسلم عورتوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے گھروں کو اسی خاص نمونہ پر ڈھالیں جس کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں قائم فرمایا ہے۔

۱۔ مسلم خواتین کو اپنے گھروں کو اپنے عمل کا مرکز بنانا چاہیے۔ گھر گویا سماجی زندگی کی ابتدائی اکائی ہے، اور عورت کا کام یہ ہے کہ وہ اس اکائی کو درست کرے۔ کیوں کہ مختلف اکائیوں کا درست ہونا آخر کار پورے سماج کا درست ہونا ہے۔

۲۔ مسلم خاتون کے گھر کے ماحول کو سادہ اور بے تکلف ہونا چاہیے نہ کہ زرق برق اور چمک دمک والا۔ زرق برق گھر میں مادی فضا ہوتی ہے اور سادہ گھر میں روحانی فضا۔ زرق برق گھر دنیا کی یاد دلاتا ہے اور سادہ گھر آخرت کی یاد دلاتا ہے۔ زرق برق گھر میں مادی ذہن پرورش پاتا ہے اور سادہ گھر میں دعوتی اور مقصدی ذہن۔ زرق برق گھر میں ادنیٰ شخصیت کی نشوونما ہوتی ہے اور سادہ گھر میں اعلیٰ

شخصیت پروان چڑھتی ہے۔

۳۔ مومن خاتون کا گھر عبادت کا گھر ہوتا ہے —— پانچ وقت کی نماز، روزہ اور زکوٰۃ کی ادائگی، اللہ اور رسولؐ کا چرچا، فضول چیزوں میں مشغولیت کے بجائے دین میں مشغولیت، یہ وہ چیزیں ہیں جو مومنہ و مسلمہ کے گھر میں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔

۴۔ اہل اسلام کے گھر میں خدا و رسولؐ کی اطاعت کا چرچا ہوتا ہے۔ ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس معاملہ میں اللہ کا حکم کیا ہے، اور رسول خدا کی سنت کیا ہے۔ صحابہ کی زندگی میں کیا نمونہ ملتا ہے۔ اس طرح خدائی احکام اور رسولؐ اور اصحاب رسول کے نمونہ سے ہدایت لیتے ہوئے گھر کو ایمان و اسلام کا گھر بنا دیا جاتا ہے۔

۵۔ مومن کا گھر پاکیزگی کا گھر ہوتا ہے۔ جس طرح غسل خانہ میں آدمی نہاتا ہے اور اس سے اس کا مادی جسم پاک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مومن کا گھر روح کی پاکیزگی کا مرکز ہوتا ہے۔ اس کی سرگرمیوں میں شرافت، انسانیت، سنجیدگی، اصول پسندی اور اعتراف حق کی خوشبو بسی ہوئی ہوتی ہے۔ جو لوگ اس ماحول میں رہتے ہیں، ان کی شخصیت مسلسل نکھرتی رہتی ہے، یہاں تک کہ وہ اس سے نکلتے ہیں تو وہ ایک ربانی انسان بن چکے ہوتے ہیں۔

لوگ اپنے گھر کو اس لحاظ سے بناتے ہیں کہ دیکھنے والے لوگ اس کو اچھا سمجھیں۔ مومن عورت اور مومن مرد کو اپنا گھر اس لحاظ سے بناتا ہے کہ وہ اللہ کی پسند کے مطابق ہو اور اللہ کے فرشتے وہاں آکر اس کو برکت دیں اور اس کو دنیا و آخرت کی سعادت سے بھر دیں۔

یہاں ازواجِ رسولؐ کو خطاب کرتے ہوئے مسلم عورتوں کو یہ عام ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اپنے گھروں میں کس طرح رہیں۔ اور اپنے گھروں کو کس نمونہ پر ڈھالیں۔ مسلم خاتون کو عام حالات میں اپنے گھر کے دائرہ میں رہنا چاہیے۔ دنیا دار عورتوں کی طرح زیب و زینت کی نمائش کا طریقہ انھیں اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ ان کی توجہ کا مرکز یہ ہونا چاہیے کہ وہ اللہ کی عبادت گزار بن جائیں۔ وہ اپنے اثاثہ کو اللہ کے لیے خرچ کریں۔ زندگی کے معاملات میں اللہ اور رسولؐ کا جو حکم ملے اس کو فوراً اختیار کر لیں۔ وہ اللہ اور رسولؐ کی باتوں کو سننے اور سمجھنے میں اپنا وقت گزاریں۔ یہ طرز زندگی وہ ہے جو بندوں کو پاکباز بناتا ہے، اور پاک باز بندے ہی اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔

تربیت اولاد

الترمذی نے اپنی سنن میں اور البیہقی نے شعب الایمان میں ایوب بن موسیٰ کی ایک روایت نقل کی ہے جس کو انھوں نے اپنے والد سے سنا اور والد نے اپنے دادا سے سنا۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باپ کی طرف سے اپنے بیٹے کے لیے اس سے بہتر کوئی عطیہ نہیں کہ وہ اس کو اچھے آداب سکھائے (ما نَحَلَ والدٌ ولدَہ مِن نُحلٍ افضلُ مِن ادبٍ حسنٍ (مشکاۃ المصابیح ۳/ ۱۳۸۹)

اس حدیث میں بظاہر صرف والد کا ذکر ہے مگر تبعاً اس سے مراد والد اور والدہ دونوں ہیں۔ نیز ادب کا لفظ یہاں تعلیم و تربیت کے تمام پہلوؤں کے لیے جامع ہے، خواہ وہ مذہبی نوعیت کی چیزیں ہوں یا دنیاوی نوعیت کی چیزیں۔

عورت اور مرد کو فطری طور پر اپنی اولاد سے غیر معمولی محبت ہوتی ہے۔ اس حدیث میں بتایا گیا کہ اس محبت کا بہتر بن استعمال کیا ہے یا کیا ہونا چاہیے۔ وہ استعمال یہ ہے کہ والدین اپنے بچوں کو آداب زندگی سکھائیں۔ وہ اپنے بچوں کو بہتر انسان بنا کر دنیا کے کارزار میں داخل کریں۔

یہ دیکھا گیا ہے کہ والدین اپنی محبت کا استعمال زیادہ تر اس طرح کرتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کی ہر خواہش پوری کرنے میں لگے رہتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ بچہ جو چاہے وہ اس کے لیے حاضر کر دیا جائے، یہی بچہ کے لیے محبت کا سب سے زیادہ بڑا استعمال ہے، مگر یہ بچوں کے حق میں خیر خواہی نہیں۔

چھوٹا بچہ اپنی خواہشوں کے سوا کچھ اور نہیں جانتا۔ اس کی سوچ بس یہ ہوتی ہے کہ اس کے دل میں جو خواہش آئے وہ فوراً پوری ہو جائے۔ مگر یہ طفلانہ سوچ ہے۔ کیوں کہ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ بچہ ایک دن بڑا ہوگا۔ وہ بڑا ہو کر دنیا کے میدان میں داخل ہوگا۔ زندگی کے اس اگلے مرحلہ میں کامیاب ہونے کے لیے بچہ کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ کہ وہ آداب حیات سے مسلح ہو کر وہاں پہنچا ہو۔

بچہ جب بالکل چھوٹا ہو اسی وقت سے اس کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ شروع کر دینا چاہیے تاکہ یہ چیزیں عادت بن کر اس کی زندگی میں داخل ہو جائیں۔ زندگی کے ان آداب کے تین خاص پہلو ہیں —— دین، اخلاق، ڈسپلن۔

دین کے اعتبار سے بچہ کی تربیت کا آغاز پیدائش کے فوراً بعد ہو جاتا ہے جب کہ اس کے کان میں اذان کی آواز داخل کی جاتی ہے۔ یہ علامتی انداز میں اس بات کا اظہار ہے کہ بچہ کو دین دار بنانے کا عمل آغاز عمر ہی سے شروع کر دینا ہے۔ یہ کام ماں اور باپ دونوں کو کرنا ہے۔

والدین کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ بچہ کے اندر توحید اور اسلامی عقائد خوب پختہ ہو جائیں۔ ذکر اور عبادت اس کی زندگی کے لازمی اجزاء بن کر اس کی شخصیت میں شامل ہو جائیں۔ وہ نماز، روزہ کا پابند ہو۔ صدقہ اور خیرات کا شوق اس کے اندر پیدا ہو جائے۔ قرآن اور حدیث سے اس کو اس قدر شغف ہو جائے کہ وہ روزانہ اس کا کچھ نہ کچھ حصہ مطالعہ کرنے لگے۔ اس کو دیکھ کر ہر آدمی یہ کہہ دے کہ یہ بچہ ایک دین دار بچہ ہے۔

اخلاق کی تربیت کی صورت یہ ہے کہ ہر موقع پر بچہ کو سکھایا جائے۔ اگر وہ غلطی کرے تو اس کو ٹوکا جائے۔ حتیٰ کہ اگر ضرورت ہو تو اس کی تنبیہ کی جائے۔ بھائی بہنوں میں لڑائی ہو تو فوراً سمجھایا جائے۔ اگر کبھی بچہ جھوٹ بولے یا کسی کو گالی دے۔ یا کسی کی چیز چرا لے تو نہایت سختی کے ساتھ اس کا نوٹس لیا جائے۔ اور یہ سب بالکل بچپن سے کیا جائے تاکہ بچہ کی زندگی میں یہ چیزیں مستقل کردار کے طور پر شامل ہو جائیں۔

یہی طریقہ ڈسپلن کے بارہ میں اختیار کرنا ہے۔ بچہ کو اوقات کی پابندی سکھائی جائے۔ چیزوں کو صحیح جگہ رکھنے کی عادت ڈالی جائے۔ کھانا پینا باقاعدہ وقت کے ساتھ ہو۔ اگر وہ کوئی کاغذ یا تھیلی سڑک پر پھینک دے تو فوراً اسی سے اس کو اٹھوایا جائے۔ شور کرنے سے روکا جائے، ہر ایسی چیز سے بچنے کی تلقین کی جائے جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہو۔

بچہ کی حقیقی تربیت کے لیے خود ماں باپ کو اپنا طرز زندگی اس کے مطابق بنانا ہوگا۔ اگر آپ اپنے بچہ سے کہیں کہ جھوٹ نہ بولو، اسی کے ساتھ آپ یہ کریں کہ جب کوئی شخص دروازہ پر دستک دے تو کہلوادیں کہ وہ اس وقت گھر پر نہیں ہیں تو ایسی حالت میں بچہ کو جھوٹ سے روکنا بے معنی ہوگا۔ اگر آپ سگرٹ پیتے ہوں تو بچہ کے سامنے اسموکنگ کے خلاف تقریر کرنا بے معنی ہے۔ اگر آپ وعدہ پورا نہ کرتے ہوں اور بچہ سے کہیں کہ بیٹے، ہمیشہ وعدہ پورا کرو، تو بچہ کبھی ایسی نصیحت کو نہیں پکڑے گا۔

بچہ اپنے والدین کو ماڈل کے روپ میں دیکھتا ہے۔ اسی طرح بڑا بچہ چھوٹے بچوں کے لیے ماڈل ہوتا ہے۔ اگر والدین اور بڑا بچہ ٹھیک ہو تو بقیہ بچے اپنے آپ سدھرتے چلے جائیں گے۔

صلح بہتر ہے

عورت اور مرد کے درمیان مختلف قسم کے جھگڑے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ حتی کہ بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ جھگڑا ختم ہونے والا ہی نہیں۔ اس طرح کے معاملات میں دونوں کیا کریں، اس کے بارہ میں قرآن میں مختلف قسم کی ہدایات دی گئی ہیں۔ ایک جگہ نہایت اصولی رہنمائی دی گئی ہے جو اس قسم کے ہر معاملہ پر چسپاں ہوتی ہے۔ وہ ہدایت یہ ہے :

وإن امرأة خافت من بعلها نشوزاً او اعراضاً فلا جناح عليهما ان يصلحا بينهما صلحاً والصلح خير وأحضرت الانفس الشح وإن تحسنوا وتتقوا فان الله كان بما تعملون خبيرا۔

(النساء ۱۲۸)

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے بدسلوکی یا بے رخی کا اندیشہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ دونوں آپس میں کوئی صلح کرلیں، اور صلح بہتر ہے۔ اور حرص انسان کی طبیعت میں بسی ہوئی ہے۔ اور اگر تم اچھا سلوک کرو اور خدا ترسی سے کام لو تو جو کچھ تم کروگے اللہ اس سے باخبر ہے۔

گھریلو زندگی میں یا رشتہ داروں کے درمیان ہمیشہ جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔ کبھی یہ نزاع صرف جذباتی نوعیت کی ہوتی ہے اور کبھی کسی واقعی معاملہ کے بارہ میں ہوتی ہے۔ کبھی عورت سمجھتی ہے کہ مرد کی زیادتی ہے، اور کبھی مرد کا خیال ہوتا ہے کہ زیادتی کرنے والی عورت ہے۔

ایسے مواقع پر ہمیشہ دو طریقے ہوتے ہیں۔ ایک، قرآن کے الفاظ میں، شح (حرص) کا طریقہ ہے، اور دوسرا صلح کا طریقہ۔ دونوں طریقوں کی نفسیات ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔ ایک طریقہ کا رخ صرف اپنی طرف ہوتا ہے اور دوسرے طریقہ کا رخ دونوں کی طرف۔

جس عورت یا مرد کے اوپر حرص کی سوچ غالب ہو وہ معاملہ کو صرف اپنی نسبت سے دیکھے گا۔ اپنے جذبات کی رعایت، اپنے مفاد کا تحفظ، اپنے وقار کی بحالی، اپنی ضد کو پورا کرنے پر اصرار، بس انھیں دائروں میں اس کا ذہن چلے گا۔ ایسے لوگ اپنے کو جانیں گے مگر وہ دوسرے کے نقطۂ نظر سے بے خبر رہیں گے۔ اس قسم کا مزاج ہمیشہ صرف جھگڑے کو بڑھاتا ہے، وہ کبھی جھگڑے کو ختم کرنے والا ثابت نہیں ہوتا۔

دوسرا طریقہ صلح کا طریقہ ہے۔ یعنی دونوں فریقوں کی رعایت کرتے ہوئے تصفیہ کی کوشش کرنا۔ یا کچھ لے کر اور کچھ دے کر معاملہ کو ختم کرنا۔ اس طریقہ میں سنجیدگی ہے۔ اس میں انصاف ہے۔ پہلا طریقہ اگر خود پسندی کا طریقہ ہے تو یہ دوسرا طریقہ انسانیت دوستی کا طریقہ۔

اس دنیا میں صلح کا طریقہ ہی کامیاب ہوتا ہے۔ نزاعات کا خاتمہ اگر ممکن ہوتا ہے تو اسی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ جہاں تک حرص کے طریقہ کا معاملہ ہے، وہ صرف نزاع کو بڑھانے میں مددگار ہے۔ یہ طریقہ نزاع کو بڑھا کر اس کو ایسا فساد بنا دیتا ہے جہاں حریص اپنے ملتے ہوئے فائدے سے بھی محروم ہو کر رہ جائے۔

حرص اور صلح کے طریقوں کا تعلق صرف بیوی اور شوہر کے مخصوص معاملات سے نہیں ہے، اس کا تعلق تمام نزاعات سے ہے، خواہ وہ گھر کے محدود ماحول میں پیدا ہوں یا باہر کے وسیع تر ماحول میں۔ اور ساری تاریخ کا تجربہ ہے کہ اس دنیا میں کوئی معاملہ کبھی حرص کے اصول پر چل کر نہیں ہوتا۔ یہاں جب بھی کوئی معاملہ حل ہوتا ہے تو وہ صلح کے اصول کو اختیار کر کے ہی حل ہوتا ہے۔

یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ جب آپ یک طرفہ طور پر صرف اپنی خواہشات کو جانیں اور صرف اپنے حق پر اصرار کریں تو یہی مزاج فریق ثانی کے اندر بھی پیدا ہوگا۔ ایک ضد کے بعد جوابی ضد پیدا ہو کر معاملہ کو مزید پیچیدہ بنا دے گی، لیکن اگر آپ دوطرفہ انداز میں سوچیں۔ آپ دوسرے سے کہیں کہ میں صلح اور امن چاہتا ہوں۔ آؤ ہم دونوں ضد کو چھوڑ دیں اور مفاہمت کے اصول پر چلتے ہوئے اِدھر یا اُدھر معاملہ کو ختم کر دیں۔ جب آپ اس قسم کا مصالحانہ رویہ ظاہر کریں گے تو فریق ثانی کا ضمیر جاگ اٹھے گا۔ وہ بھی اپنی ضد کو چھوڑ دے گا اور کم سے کم پر راضی ہوتے ہوئے آپ سے صلح کر لے گا، جب کہ اس سے پہلے وہ زیادہ سے زیادہ کے لیے اصرار کر رہا تھا۔

خواہ گھر کا معاملہ ہو یا وسیع تر دائرہ میں سماج کا معاملہ، جب بھی کچھ مرد اور کچھ عورتیں مل جل کر رہیں تو لازماً ان میں نزاع کی صورتیں پیدا ہوں گی۔ ایسے مواقع پر آپ کو یہ کرنا چاہیے کہ قرآن کی ہدایت کے مطابق، احسان اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے ہوئے اسے جلد از جلد ختم کر دیں۔

حرص انسانی روح کو گندہ کرتی ہے، اور صلح کا طریقہ انسان کو غیر حقیقی جھگڑوں سے اوپر اٹھا کر اس کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ اعلیٰ افکار میں جی سکے۔ حرص دنیا اور آخرت دونوں کی تباہی ہے، اس کے برعکس صلح دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی۔

انتظار کیجئے

قرآن کی سورہ نمبر ۶۵ میں طلاق اور اس سے پیدا شدہ مسائل کا ذکر ہے۔ اس ذیل میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ باہمی معاملات کو ہمدردی اور فراخ دلی کے ساتھ طے کرو۔ جب دو آدمیوں میں تفریق ہوتی ہے تو ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ چیز اپنے لیے سمیٹے۔ کیوں کہ اس کا خیال یہ ہوتا ہے کہ جو میرے پاس ہے وہی میرا ہے، اور جو دوسرے کے پاس چلا گیا وہ میرا نہیں رہا۔ اس لیے اپنے فائدہ کو محفوظ رکھنے کے لیے دوسرے کے ساتھ وہ تنگ نظری کا معاملہ کرنے لگتا ہے۔

اس سلسلہ میں دونوں فریقوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وأتمروا بینکم بمعروف (اور تم آپس میں ایک دوسرے کو نیکی سکھاؤ) اس روش میں بظاہر اپنے لیے گھاٹے کی صورت دکھائی دے رہی تھی، چنانچہ فرمایا کہ حوصلہ سے کام لو، اللہ تمہارے لیے مشکل کے بعد آسانی پیدا فرمائے گا (سیجعلُ اللہ بعد عُسرٍ یُسراً) الطلاق ۷

اس ہدایت کا تعلق صرف طلاق کے معاملہ سے نہیں ہے بلکہ زندگی کے تمام نزاعی معاملات سے ہے۔ جب بھی کسی مرد اور کسی عورت کے درمیان لین دین پر جھگڑا پیدا ہو تو ہر ایسے معاملہ میں لینے کے ساتھ دینے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔ اس روش کے نتیجہ میں اگر کچھ نقصان دکھائی دے تو اس کو وقتی سمجھ کر اس پر راضی ہو جانا چاہیے اور یہ یقین رکھنا چاہیے کہ مستقبل میں اضافہ کے ساتھ اس کے نقصان کی تلافی کی جائے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس دنیا میں انتظار بھی ایک مستقل پالیسی ہے۔ دنیا کا نظام جس قانون الٰہی کی بنیاد پر چل رہا ہے وہ یہ ہے کہ یہاں لازماً ہر شام کے بعد نئی صبح نمودار ہو۔ لوگ شر پھیلائیں تب بھی اس میں سے خیر برآمد ہو۔ کسی کو نقصان کا تجربہ ہو تب بھی زمانہ کی گردش دوبارہ اس کے لیے نفع کی صورتیں پیدا کر دے۔

اس دنیا میں انتظار سادہ طور پر محض انتظار نہیں ہے، وہ شام کے بعد صبح کے انتظار کے ہم معنی ہے۔ وہ خدائی نظام سے اس چیز کو پانے کی امید کرنا ہے جس کو آدمی اپنی طاقت سے حاصل

نہیں کرسکا تھا۔ انتظار بے عملی نہیں، انتظار خود ایک عمل ہے۔ اگرچہ یہ ذہنی عمل زیادہ تر سوچ کی سطح پر انجام پاتا ہے۔

صبح کو کوئی کھینچ کر نہیں لاتا۔ وہ کسی کو صرف انتظار کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے۔ کھیت اور باغ کی فصل جو ایک کسان کو ملتی ہے وہ بھی انتظار کی پالیسی کا نتیجہ ہے۔ کیوں کہ کسان صرف یہ کرتا ہے کہ وہ زمین میں بیج ڈال دیتا ہے۔ اس کے بعد ہزاروں ہزار ضروری عمل ہیں جن کو فطرت بطور خود انجام دیتی ہے۔ کسان گویا زرخیز زمین میں بیج ڈال کر انتظار کرتا ہے کہ کب وہ وقت آئے جب زمین وآسمان کا نظام اپنے عمل کو مکمل کرے اور قیمتی فصل اگا کر اس کے دامن میں ڈال دے۔

یہی اصول زندگی کے تمام معاملات کے لیے ہے۔ قرآن کا یہ ارشاد کہ اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا فرمائے گا۔ ایک عام قانون فطرت کا اعلان ہے، ایک ایسا قانون فطرت جو ہمیشہ اپنا کام کرتا ہے، جس میں کبھی تغیر واقع نہیں ہوتا۔

فطرت کے اس نظام پر آدمی کو اگر یقین ہو تو اس کے اندر جھنجلاہٹ اور مایوسی کا مکمل خاتمہ ہو جائے، وہ سراپا امید اور یقین میں جینے لگے۔

اگر آپ کو اس حقیقت کا یقین ہو جائے تو آپ کو کسی کی ضد کے مقابلہ میں اپنا فائدہ چھوڑنا گھاٹے کا سودا معلوم نہیں ہوگا، کیوں کہ آپ جانیں گے کہ اس کی حسن تلافی عنقریب خدا کی طرف سے کی جانے والی ہے۔

وقار کی قربانی آپ کو قربانی معلوم نہیں ہوگی، کیوں کہ آپ کو یقین ہوگا کہ بہت جلد اس کا معاوضہ اضافہ کے ساتھ ملنے والا ہے۔ کسی کی اشتعال انگیزی پر صبر کرنا آپ کے لیے مشکل نہیں رہے گا۔ کیوں کہ آپ کو دکھائی دے گا کہ اس صبر کے پیچھے خدا کی عظیم نصرت میری طرف چلی آ رہی ہے۔

انتظار بے عملی نہیں، انتظار خدا کی اس دنیا میں ایک مثبت پالیسی ہے۔ انتظار ہمت ہارنا نہیں ہے، انتظار اس بلند ہمتی کا ثبوت دینا ہے کہ آپ وقتی ہیجان سے اوپر اٹھ گئے ہیں اور مستقبل بینی کی بصیرت کے حامل ہیں۔ انتظار فریق ثانی کے مقابلہ میں ہتھیار نہیں ہے۔ انتظار یہ ہے کہ فریق ثانی سے مقابلہ کے لیے آپ نے اپنی ذات کو ہٹا دیا اور خداوند عالم کو اپنی جگہ کے اوپر کھڑا کر دیا۔

پیغمبرانہ نصیحت

صحیح مسلم (باب الوصیۃ بالنساء) میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی مومن کسی مومنہ سے بغض نہ رکھے، اگر اس کی کوئی خصلت اس کو ناپسند ہوگی تو کوئی دوسری خصلت اس کی پسند کے مطابق ہوگی (لا يَفْرَكْ مؤمنٌ مؤمنةً إن كرِهَ منها خُلُقاً رَضِيَ منها آخرَ) صحیح مسلم بشرح النووی ۱۰/۵۸

یہ حدیث بظاہر عورت کے بارہ میں ہے۔ مگر اسی کے ساتھ وہ خود مرد کے بارہ میں بھی ہے۔ یہ ایک فطری اصول ہے جس کا تعلق مرد اور عورت دونوں سے ہے۔ مرد کو بھی عورت کے ساتھ اسی اصول کے مطابق معاملہ کرنا ہے اور عورت کو بھی مرد کے معاملہ میں اسی اصول کو اختیار کرنا ہے۔

یہ فطرت کا نظام ہے کہ کسی بھی مرد یا عورت کو ہر صفت نہیں دی جاتی۔ اس دنیا میں نہ کوئی ہر اعتبار سے بے صلاحیت پیدا ہوتا اور نہ کوئی ہر اعتبار سے کامل۔ کسی کے اندر اگر ایک خصوصیت پائی جارہی ہے تو اس کے اندر دوسری صفت مفقود ہوگی۔ ایسی حالت میں کوئی اگر ایسی چیز چاہے جو فطرت کے نظام میں موجود نہیں ہے تو اس کا ایسا چاہنا بے معنی ہے۔ کیوں کہ وہ ایک ایسی چیز کا طالب ہے جو یہاں قابل حصول ہی نہیں۔

ایک شخص کو اگر ایسی بیوی ملے جس میں ظاہری کشش کم ہو تو اس کو ایسی خاتون سے نفرت نہیں کرنا چاہیے۔ کیوں کہ یقینی ہے کہ اس کے اندر عملی خصوصیات بہت زیادہ ہوں گی۔ کوئی خاتون اگر جلد غصہ میں آجاتی ہوں تو اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ کیوں کہ یہ دیکھا گیا ہے کہ جس کے اندر غصہ زیادہ ہوتا ہے اس کے اندر اصول پسندی، اخلاص اور دیانت داری کی صلاحیت بڑی مقدار میں موجود ہوتی ہے۔

اگر آدمی بیزار ہونے کے بجائے قدر دانی کی نگاہ سے دیکھے تو وہ پائے گا کہ اس کی رفیقۂ حیات میں کچھ ایسی خصوصیات موجود ہیں جو غیر موجود خصوصیت کے مقابلہ میں زیادہ قیمتی ہیں۔ وہ اپنی بیوی میں سطحی صفت دیکھنا چاہتا تھا، جب کہ قدرت نے اس کے اندر گہری صفت پیدا کر رکھی تھی۔ وہ اس کے اندر تفریحی پہلو کی تلاش کر رہا تھا، جب کہ اللہ تعالےٰ نے اس کے ایسے پہلو رکھ دیے تھے جو

زندگی کو بنانے اور گھر کو آباد کرنے کے اعتبار سے غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس کو شوق تھا کہ اس کی بیوی ظاہر کے اعتبار سے پرکشش ہو، مگر خداوند عالم نے اس کے لیے ایسی بیوی مقدر کر دی جو باطن کے اعتبار سے پرکشش تھی، اور اول الذکر کے مقابلہ میں ثانی الذکر یقیناً زیادہ اہم ہے۔

یہی معاملہ دوسری صورت میں عورت کے لیے بھی ہے۔ عورت کی بھی مختلف خواہشیں ہوتی ہیں وہ چاہتی ہے کہ میرا رفیق ایسا ہو اور ویسا نہ ہو۔ مگر اس کو بھی تقدیر کے اوپر راضی ہونا ہے۔ کیوں کہ عین ممکن ہے کہ جو شخصیت اسے ملی ہے وہ اس سے زیادہ قیمتی ہو جس کو وہ چاہتی تھی۔

مثلاً ایک عورت کی خواہش تھی کہ اس کا شوہر دولت مند ہو، مگر تقدیر نے اس کو دولت مند شوہر نہیں دیا۔ مگر اس پر غم زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ کیوں کہ ایک شخص کے پاس اگر زیادہ دولت نہ ہو تو کچھ اور چیزیں اس کے پاس دولت مندوں سے زیادہ ہوتی ہیں۔ مثلاً سنجیدگی، حساسیت، تواضع، ہمدردی، جد و جہد کا جذبہ، وغیرہ۔ اور یہ دوسری چیزیں یقینی طور پر دولت سے زیادہ قیمتی ہیں۔

اسی طرح مثلاً ایک عورت کو ایسا خاوند ملا ہے جو نسب کے اعتبار سے زیادہ اونچا نہیں ہے۔ جب کہ عورت کی خواہش تھی کہ اس کو عالی نسب خاوند ملے۔ اس فرق کی بنا پر عورت اگر اپنے خاوند کو کم سمجھنے لگے تو وہ بہت بڑی نادانی کرے گی۔ کیوں کہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ عالی نسب ہوتے ہیں وہ اخلاق اور انسانیت میں زیادہ اونچے نہیں ہوتے۔ وہ اپنے کو دوسروں سے اونچا سمجھنے لگتے ہیں۔ ان کا یہ احساس ان کے اندر طرح طرح کی برائیاں پیدا کر دیتا ہے۔ اس کے برعکس جو آدمی اس فخر سے خالی ہو کہ وہ اعلیٰ حسب و نسب والا ہے، وہ نسبتاً زیادہ حقیقت پسند اور فرض شناس اور دوسروں کی رعایت کرنے والا ہوتا ہے۔

اس دنیا میں کوئی بھی اچھی چیز خرابیوں سے پاک نہیں، اسی طرح کوئی بھی معمولی چیز خوبیوں سے خالی نہیں۔ اس لیے عورت اور مرد کو چاہیے کہ اپنی ملی ہوئی چیز ہی میں خوبیاں تلاش کریں، نہ کہ اس کو چھوڑ کر کسی اور چیز کی طرف دوڑنا شروع کر دیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کو کبھی مایوسی میں نہیں پڑنا چاہیے۔ کیوں کہ ہر بظاہر مایوسی کے واقعہ میں اللہ نے امید کا ایک پہلو چھپا دیا ہے۔

جنت کا استحقاق

دنیا امتحان گاہ ہے۔ یہاں مرد بھی امتحان کی حالت میں ہے اور عورت بھی امتحان کی حالت میں۔ کسی عورت یا مرد کو جو کچھ اس دنیا میں ملتا ہے وہ سب اس کے لیے امتحان کا پرچہ ہے۔ اور ہر ایک کا سب سے بڑا امتحان یہ ہے کہ لوگوں کی طرف سے ٹھیس پہنچنے کے باوجود وہ لوگوں کے درمیان محبت کے ساتھ رہ سکے۔

عورت کے امتحان کا سب سے زیادہ اہم پرچہ اس کی سسرال ہے۔ عورت جب میکے میں ہوتی ہے تو وہاں وہ خونی رشتوں کے درمیان ہوتی ہے۔ ماں، باپ، بھائی، بہن، ہر ایک اس کے لیے خونی رشتہ دار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہر ایک کو وہ اپنا سمجھتی ہے۔ اس لیے جب کوئی ناخوشگواری کی بات پیش آتی ہے تو وہ سنگین بات بننے نہیں پاتی۔

میکہ میں بھی بار بار ایسے حالات پیدا ہوتے ہیں جب کہ عورت کو گھر والوں سے کسی ناخوش گوار بات کا تجربہ ہو۔ شکایت اور تلخی اجتماعی زندگی کا حصہ ہے۔ وہ ہمیشہ اور ہر جگہ پیش آتی ہے۔ لیکن میکہ میں جب عورت کو گھر کے کسی فرد سے اس قسم کا ناموافق تجربہ ہوتا ہے تو وہ ہمیشہ وقتی ہوتا ہے۔ کیونکہ خون کا تعلق غالب آکر تلخی کے احساس کو ختم کر دیتا ہے۔

لیکن عورت کی جب شادی ہو جاتی ہے اور وہ رخصت ہو کر سسرال میں آتی ہے تو یہاں کی فضا بالکل مختلف ہوتی ہے۔ یہاں ہر رشتہ دار غیر خونی رشتہ دار ہوتا ہے۔ اس لیے یہاں جب کوئی تلخی یا شکایت کی بات ہوتی ہے تو اگرچہ وہ عام فطری قانون کے تحت ہوتی ہے۔ مگر چونکہ میکہ کی طرح سسرال میں خون کا تعلق اس پر غالب آنے کے لیے موجود نہیں ہوتا، اس لیے یہاں ہر بات اس کے لیے سنگین بات بن جاتی ہے۔ جو بات میکہ میں بھول کے خانہ میں چلی جاتی تھی وہ سسرال میں یاد کے خانہ میں مسلسل زندہ رہتی ہے۔ اس بنا پر ایسا ہوتا ہے کہ جو عورت اپنے میکہ میں بے مسئلہ خاتون بن کر رہتی تھی، وہ سسرال میں مسائل کا مجموعہ بن کر رہ جاتی ہے۔

یہی عورت کے امتحان کا پرچہ ہے۔ وہ سسرال میں بھی اسی طرح رہے جس طرح وہ میکہ میں رہتی تھی۔ جس طرح میکہ میں شکایت کے باوجود وہ افراد خاندان سے حسن تعلق باقی رکھتی تھی۔ اسی طرح

وہ سسرال میں بھی شکایت کے باوجود خاندان کے افراد سے خوش گوار تعلقات کو باقی رکھے۔ وہی عورت آخرت کی جنت کی مستحق ہے جو اپنے حسن عمل سے اپنے شوہر کے گھر کو جنت کا نمونہ بنا دے۔

اس دنیا میں کوئی عورت یا مرد جب اپنے امتحان میں ناکام ہوتا ہے تو اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ قریبی ماحول کے افراد سے وہ کسی نہ کسی نفسیاتی پیچیدگی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ نفسیاتی پیچیدگی بعض اوقات اس کے اوپر اتنا زیادہ چھا جاتی ہے کہ اس سے اوپر اٹھنا اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ وہ نفسیاتی پیچیدگی کے اس طوفان میں گھر کر رہ جاتا ہے۔ عورت اور مرد دونوں کی کامیابی کا راز یہ ہے کہ وہ اس نزاکت کا شعوری ادراک کرے اور اس سے غیر متاثر رہ کر اپنا مفوضہ کردار ادا کر سکے۔

ایک عورت کو ایک پورے ماحول میں رہنا پڑتا ہے جہاں اس کا سابقہ بار بار بہت سے مردوں اور عورتوں سے پیش آتا ہے۔ اس عمل کے دوران کبھی کسی کی بات پر اس کو غصہ آجاتا ہے۔ کبھی کسی کی بات اس کو اپنے حق میں توہین آمیز معلوم ہوتی ہے۔ کبھی کسی کی ترقی کو دیکھ کر اس کے اندر جلن اور حسد کا جذبہ ابھر آتا ہے۔ کبھی اس کو یہ شبہہ ہو جاتا ہے کہ فلاں کی موجودگی میں میں ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتی۔ کبھی اس کو یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ فلاں مرد یا عورت خواہ مخواہ میرے راستہ کی رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ کبھی اپنے بچوں کی بے جا محبت اور حمایت اس کو طرح طرح کی نادانیوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔

یہ تمام چیزیں عورت کی دنیا اور آخرت کو تباہ کرنے والی ہیں۔ عورت کو ان تمام چیزوں کو نظر انداز کرنا ہے، اس کو ان تمام جذبات سے اوپر اٹھنا ہے، ورنہ عورت اپنا وہ عظیم کردار ادا کرنے میں ناکام رہے گی جس کا سنہری موقع نظام فطرت نے اس کے لیے مہیا کیا ہے۔

تاریخ میں بہت سی ایسی خواتین گزری ہیں جنھوں نے نہایت اعلیٰ کارنامے انجام دیے، گھر کے اندر بھی اور گھر کے باہر بھی۔ مگر یہ تمام وہی خواتین تھیں جن کے اندر بلند نظری کی صفت تھی۔ جو اپنے آپ کو نفسیاتی پیچیدگیوں سے اوپر اٹھانے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔

شکایت کی باتوں میں الجھنا آپ کی ترقی کے سفر کو روکتا ہے۔ اور شکایت کو نظر انداز کر کے لوگوں سے اچھا معاملہ کرنا آپ کو اعلیٰ درجات تک پہنچا دیتا ہے۔

سب سے زیادہ

صحیح بخاری میں ایک حدیث آئی ہے۔ مؤلف کتاب نے اپنے طریقہ کے مطابق اس کو کئی ابواب میں نقل کیا ہے۔ کتاب الکسوف میں جو روایت آتی ہے اس کا ایک حصہ یہ ہے :

ورأیتُ النارَ فلم أرَ منظراً کالیوم قطُّ افظع ۔ ورأیتُ اکثر اھلھا النساءَ۔ قالوا بِمَ یارسول اللّٰہ ۔ قال بکفرِھنَّ۔ قیل یکفرن باللّٰہ ۔ قال : یکفرن العشیر ویکفرن الاحسانَ لواَحسنتَ الیٰ احداھنّ الدھر کلہ ثم رأت منك شیئاً قالت : ما رأیتُ منك خیراً قطُّ ۔ (فتح الباری ۲/۶۲۸)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو جہنم دکھائی گئی تو میں نے اس سے زیادہ قبیح منظر کبھی نہیں دیکھا۔ اور میں نے دیکھا کہ اس میں زیادہ تر عورتیں ہیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیوں اے خدا کے رسولؐ، آپ نے فرمایا کہ اپنے کفر کی وجہ سے۔ پوچھا گیا کہ کیا وہ اللہ کا کفر کرتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ اپنے شوہر (قریبی فرد) کا انکار کرتی ہیں۔ وہ احسان کا انکار کرتی ہیں۔ اگر تم ان میں سے کسی سے زمانہ بھر احسان کرو، پھر وہ تم سے کچھ دیکھے تو وہ کہہ دے گی کہ میں نے تم سے کبھی کوئی خیر نہیں دیکھا۔

عورت کی یہ کمزوری دراصل اس کی ایک فطری صلاحیت کا غلط استعمال ہے۔ عورت فطری طور پر زیادہ جذباتی (emotional) ہوتی ہے۔ اسی بنا پر ایسا ہے کہ اس کو جب کسی سے کوئی خلاف مزاج بات پہنچتی ہے تو وہ بہت جلد بے قابو ہو جاتی ہے۔ اس وقت وہ پچھلی تمام اچھی باتوں کو بھلا بیٹھتی ہے اور ایسے سخت کلمات بولنے لگتی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ کبھی خیر یا مہربانی کا معاملہ ہی نہیں کیا گیا۔

اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کو دو الگ الگ کام کے لیے پیدا کیا ہے۔ مرد دنیا کے کاروبار کو سنبھالنے کے لیے ہے۔ اور عورت بچوں کی پرورش اور تربیت کے لیے۔ اسی کے مطابق دونوں کی سرشت بنائی گئی ہے۔ چنانچہ مرد میں عزم کی خصوصی صلاحیت ہے۔ تاکہ وہ باہر کے طوفانی حالات کے مقابلہ میں ٹھہر سکے۔ اور عورت کے اندر جذبہ یا عاطفہ زیادہ رکھا گیا ہے، تاکہ بچوں کو

سنبھالنے کا نازک کام اس کے لیے آسان ہو جائے۔

مرد اور عورت دونوں اس دنیا میں حالت امتحان ہیں۔ البتہ دونوں کے لیے امتحان کے پرچے کسی قدر الگ الگ ہیں۔ اس اعتبار سے مرد اور عورت دونوں میں انحراف پیدا ہوتا ہے مگر دونوں کے انحراف کی صورتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

مرد کا انحراف اَنانیت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور عورت کا انحراف، مذکورہ حدیث کے مطابق، بے اعترافی کی صورت میں، انانیت بھی ایک فطری صلاحیت کا غلط استعمال ہے اور بے اعترافی بھی ایک فطری صلاحیت کا غلط استعمال۔

یہ حدیث عورت کو متنبہ کر رہی ہے کہ وہ کون سا مقام ہے جہاں عورت سب سے زیادہ نازک پوزیشن میں ہے اور کس معاملہ میں اس کو سب سے زیادہ چوکنّا رہنا چاہیے۔ یہ مقام وہ ہے جب کہ اس کا شوہر (یا اس کے خاندان کا کوئی قریبی فرد) کوئی ایسی چیز کرے یا کوئی ایسی بات کہہ دے جس سے عورت کے دل کو ٹھیس پہنچے۔ ایسے موقع پر عورت کے اندر شدید جذبات ابھر آتے ہیں، حتی کہ وہ بھول جاتی ہے کہ اس سے پہلے ہزاروں بار اسی شوہر (یا اسی فرد خاندان) سے اس کو بھلائی اور مہربانی ملی ہے۔

ایسے جذباتی موقع پر عورت جنت اور جہنم کے عین درمیان پہنچ جاتی ہے۔ اگر وہ جذبات کے وقتی جھٹکے کو برداشت کر لے اور وہ بات کہے جو انصاف کا تقاضا ہے تو اس کی یہ صابرانہ روش اس کے لیے جنت میں داخلہ کا ٹکٹ بن جائے گی۔ اس کے برعکس اگر ایسا ہو کہ جذبات اس کے اوپر غالب آ جائیں، وہ احسان فراموشی کے کلمات بولنے لگے یا قطع تعلق کر بیٹھے تو ایسی روش اس کو جہنم کی آگ میں داخل کرنے کا سبب بن جائے گی۔

اس دنیا میں ہر عورت اور ہر مرد امتحان کی حالت میں ہے۔ یہاں ہر ایک کو سب سے زیادہ اس بات کے لیے چوکنا رہنا چاہیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے لیے امتحان کا لمحہ آئے اور وہ اس امتحانی لمحہ پر فیل ہو جائے، وہ اپنی کامیابی کا ثبوت نہ دے سکے۔

اس امتحان کا سب سے زیادہ نازک لمحہ وہ ہے جب کہ کسی عورت یا مرد پر جذبات کا غلبہ ہو جائے اور وہ جذبات کے زیر اثر صحیح روش پر قائم رہنے میں ناکام رہے۔

غلط فہمی

صحیح مسلم کتاب الصلاۃ (باب مایقال فی الرکوع والسجود) میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ایک رات کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس نہ پایا۔ میں نے گمان کیا کہ آپ اپنی کسی اور بیوی کے پاس گئے ہیں۔ چنانچہ میں نے آپ کو ڈھونڈا۔ پھر میں لوٹی تو آپ رکوع یا سجدہ میں تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ خدایا، تو پاک ہے اور تیری ہی تعریف ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہ دیکھ کر میں نے کہا کہ میرے باپ اور ماں آپ پر قربان، میں کس خیال میں تھی اور آپ کسی اور حال میں ہیں:

عن عائشۃ، قالت افتقدتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃٍ فظننتُ انہ ذھبَ الیٰ بعض نسائہِ فتحسَّستُ ثم رجعتُ فاذا ھو راکعٌ او ساجدٌ یقولُ سبحانک وبحمدکَ لا الٰہ اِلا انتَ۔ فقلت بابی انتَ و اُمّی، اِنی لفی شانٍ وانک لفی آخر (صحیح مسلم بشرح النووی ۴/ ۲۰۳)

یہ واقعہ بتاتا ہے کہ غلط فہمی کتنی خطرناک چیز ہے۔ حضرت عائشہ ہر لحاظ سے ایک افضل خاتون تھیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت پیغمبر اعظم کی تھی، اس کے باوجود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آپ کے بارہ میں ایک ایسی غلط فہمی ہو گئی جس کا سرے سے کوئی وجود نہ تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حجرہ میں نہیں پایا تو انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ آپ کسی اور بیوی کے یہاں چلے گئے ہیں، حالاں کہ آپ اس وقت مسجد میں تھے۔ چوں کہ یہ رات کا وقت تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر موجودگی سے یہ قیاس کیا کہ آپ کو اپنی کسی زوجہ کی یاد آئی اور آپ وہاں چلے گئے۔ حالاں کہ اصل بات یہ تھی کہ آپ کو خدا کی یاد آئی تھی اور آپ خدا کے آگے رکوع وسجود کے لیے مسجد میں چلے گئے تھے۔

غلط فہمی ہمیشہ کسی ظاہری مشابہت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مگر مذکورہ واقعہ بتاتا ہے کہ بظاہر مشابہت کے باوجود، غلط فہمی کتنی زیادہ بے اصل ہو سکتی ہے۔

گھریلو زندگی میں جو بگاڑ پیدا ہوتے ہیں اور جو کبھی کبھی اتنا بڑھتے ہیں کہ پورا خاندانی نظام منتشر

ہو جاتا ہے، ان کا سبب بیشتر حالات میں غلط فہمی ہوتا ہے۔ غلط فہمی پیدا ہونے کے بعد اگر سنجیدگی کے ساتھ اس کی تحقیق کی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ محض بے بنیاد تھی۔ اس طرح پہلے ہی مرحلہ میں اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ لیکن اکثر لوگ غلط فہمی کی تحقیق نہیں کرتے۔ اس طرح ایک بے بنیاد چیز بڑھ کر بگاڑ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

مذکورہ واقعہ ہر عورت اور ہر مرد کے لیے ایک چشم کشا واقعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک مقدس خاتون جب غلط فہمی میں پڑ سکتی ہے تو عام عورت اور عام مرد کیوں غلط فہمی میں نہیں پڑیں گے۔ اس لیے جب بھی کسی کے خلاف کوئی برا خیال ذہن میں آئے تو کبھی اس کو دل میں بٹھانا نہیں چاہیے۔ بلکہ اس کی تحقیق کرنا چاہیے۔ اور تحقیق کے بعد جو بات سامنے آئے اس کو فوراً مان لینا چاہیے۔ اس طرح گھر کی زندگی بگاڑ اور انتشار سے بچی رہے گی۔

غلط فہمی کا صرف یہی نقصان نہیں ہے کہ وہ گھر کے نظام کو بگاڑنے والی ہے، اسی کے ساتھ وہ ایک سخت گناہ بھی ہے۔ کسی کے بارہ میں ایسا گمان کر لینا جو فی الواقع درست نہ ہو، وہ اللہ کو بیحد ناپسند ہے۔ حتی کہ یہ بھی اندیشہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں عورت یا مرد کے سارے اعمال ضائع ہو جائیں۔

غلط فہمی کو ماننے کا مزاج آدمی کی شخصیت کو بھی سخت نقصان پہنچاتا ہے۔ جو عورت یا جو مرد اس کمزوری کا شکار ہوں کہ وہ آسانی سے کسی کے بارہ میں غلط فہمی میں پڑ جائیں اور پھر اپنے ذہن کی صفائی نہ کریں وہ دھیرے دھیرے نہایت سطحی ہو جائیں گے۔ انسانوں کے لیے ان کے دل میں خیر خواہی نہیں ہوگی۔ وہ ایک غیر حقیقی دنیا میں جینے لگیں گے۔ اور جن لوگوں کا یہ حال ہو جائے وہ خدا کی اس دنیا میں کبھی کوئی بڑی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔

غلط فہمی انسانی تعلقات کے لیے قاتل ہے۔ غلط فہمی سے دشمنیاں پیدا ہوتی ہے۔ غلط فہمی دو گروہوں کو لڑا دیتی ہے۔ غلط فہمی عظیم بربادیوں کا سبب بن جاتی ہے۔ تاہم اس ہولناک برائی کا علاج نہایت آسان ہے۔ اور وہ تحقیق ہے۔ جب بھی آپ کو کسی کے بارہ میں غلط فہمی پیدا ہو تو آپ فوراً اس کو مان نہ لیں بلکہ براہ راست ذرائع سے اس کی تحقیق کریں۔ اس کے بعد یقینی ہے کہ آپ کی غلط فہمی رفع ہو جائے گی اور آپ کی حفاظت گناہ سے بھی ہو جائے گی اور غلط اقدام سے بھی۔

غیبت نہیں

یا ایھا الذین آمنوا اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا۔ ایحب احدکم ان یأکل لحم اخیہ میتاً فکرھتموہ۔ واتقوا اللہ ان اللہ تواب رحیم۔ (الحجرات ۱۲)

اے ایمان والو، بہت سے گمانوں سے بچو۔ کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اور ٹوہ میں نہ لگو۔ اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔ اس کو تم خود ناگوار سمجھتے ہو۔ اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

غیبت کا مطلب ہے، کسی کی غیر موجودگی میں اس کو برا کہنا۔ مذکورہ آیت میں غیبت کو مرے ہوئے انسان کا گوشت کھانے کے برابر بتایا گیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ فعل اللہ کے نزدیک کتنا زیادہ برا اور کتنا زیادہ ناپسندیدہ ہے۔

موطأ الامام مالک (کتاب الجامع) میں باب ماجاء فی الغیبۃ کے تحت ایک روایت آئی ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ غیبت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا، یہ کہ تم کسی آدمی کا ذکر اس طرح کرو جس کو وہ ناپسند کرے اگر وہ سنے۔ اس نے دوبارہ پوچھا کہ اے خدا کے رسولؐ، اگرچہ بری بات واقعہ کے مطابق ہو۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تمہاری بات واقعہ کے خلاف ہو تو وہ بہتان ہے (ان رجلاً سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما الغیبۃ۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان تذکر من المرء مایکرہ ان یسمع۔ قال یارسول اللہ وان کان حقاً۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا قلت باطلاً فذلک البھتان (صفحہ ۶۹۸)

موجودہ زمانہ میں خواتین میں اور گھروں میں جو برائی سب سے زیادہ عام ہے وہ یہی ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ جہاں چند عورتیں اکٹھا ہوں گی وہ فوراً دوسروں کی شکایت کرنا شروع کر دیں گی، اس قسم کی شکایتوں ہی کا نام غیبت ہے، کسی کی غیر موجودگی میں اس کے خلاف اس کی برائی بیان کرنا، جب کہ وہ خود اس کی صفائی کرنے کے لیے موجود نہ ہو، یہی غیبت ہے اور یہ غیبت خواتین میں اتنا

زیادہ پھیلی ہوئی ہے کہ بہت ہی کم ایسی خواتین ہوں گی جو اس برائی سے بچی ہوئی ہوں۔

مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کے تحت اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں : اختلاف وتفریق باہمی کے بڑھانے میں اِن امور کو خصوصیت سے دخل ہے۔ایک فریق دوسرے فریق سے ایسا بدگمان ہوجاتا ہے کہ حسن ظن کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتا۔ مخالف کی کوئی بات ہو تو اس کا محمل اپنے خلاف نکال لیتا ہے۔ اس کی بات میں ہزارہا احتمال بھلائی کے ہوں اور صرف ایک پہلو برائی کا نکلتا ہو تو ہمیشہ اس کی طبیعت برے پہلو کی طرف چلے گی۔اور وہ اسی برے اور کمزور پہلو کو قطعی اور یقینی قرار دے کر فریق مقابل پر تہمتیں اور الزام لگانا شروع کردے گا۔پھر نہ صرف یہ کہ ایک بات اتفاق سے پہنچ گئی تو بدگمانی سے اس کو غلط معنی پہنا دیے گئے۔نہیں، وہ اس جستجو میں رہتا ہے کہ دوسری طرف کے اندرونی بھید معلوم ہوں جس پر ہم خوب حاشیے چڑھائیں اور اس کی غیبت سے اپنی مجلس گرم کریں۔ان تمام خرافات سے قرآن منع کرتا ہے۔اگر مسلمان اس پر عمل کریں تو جو اختلافات بدقسمتی سے پیش آجاتے ہیں وہ اپنی حد سے آگے نہ بڑھیں اور ان کا ضرر بہت محدود ہو جائے۔ بلکہ چند روز میں نفسانی اختلافات کا نام ونشان باقی نہ رہے (صفحہ ۶۷۱)

سورہ احزاب کی اس آیت کا خطاب عورتوں اور مردوں دونوں سے ہے کہ وہ گمان کی بنیاد پر ہرگز کسی کے بارہ میں کوئی بری رائے قائم نہ کریں۔کسی کے بارہ میں اچھی رائے قائم کرنے میں اگر آپ غلطی کر جائیں تو اس سے خاندان یا سماج میں کوئی برائی پیدا نہیں ہوگی۔لیکن اگر کسی کے بارہ میں بری رائے قائم کرلی جائے تو وہ عظیم شر کا سبب بن سکتی ہے۔

اسی طرح غیبت اور شکایت کا نقصان بہت زیادہ ہے۔جس گھر یا جس سماج میں لوگوں کا حال یہ ہو کہ وہ اپنی مجلسوں میں دوسروں کی برائی بیان کرتے ہوں وہاں لوگوں کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہوں گے۔ باہمی خیر خواہی کا ماحول وہاں باقی نہیں رہے گا۔حقیقت یہ ہے کہ خود اپنی ذات کی نجات کے لیے بھی ضروری ہے کہ آپ کی زبان غیبت اور شکایت اور برائی جیسے تذکروں سے پاک ہو۔جو انسان مُردار گوشت کو اپنی غذا بنائے اس کا جسم فاسد جسم بن جائے گا۔اسی طرح جو عورت یا مرد اپنی زبان کو بار بار غیبت سے آلودہ کریں ان کے اندر گندی شخصیت پرورش پائے گی۔ان کا وجود انسانی خوشبو سے محروم ہوکر رہ جائے گا۔

ہاجرہؓ ــــ ام اسماعیلؑ

زندگی کے نظام میں عورت کی حیثیت بظاہر نصف حصہ کی ہے۔ مگر عملی اعتبار سے عورت کلیدی کردار کی حامل ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ ہر بڑے آغاز کے پیچھے ایک عورت ہوتی ہے :

There is a woman at the beginning of all great things.

قدیم تاریخ میں اس کی ایک شاندار مثال وہ خاتون ہیں جن کو ہاجرہ (Hagar) کہا جاتا ہے۔ ان کا زمانہ بیسویں صدی قبل مسیح ہے۔ ان کی غیر معمولی قربانی سے عرب کے صحرا میں ایک اعلیٰ درجہ کی نسل تیار ہوئی۔ اس نسل نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت کو قبول کرکے وہ جدوجہد کی جس کے نتیجہ میں تاریخ کا عظیم ترین انقلاب برپا ہوا۔

حج کے ارکان میں سے ایک رکن وہ ہے جس کو صفا اور مروہ کے درمیان سعی کہا جاتا ہے۔ یہ دو پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان تقریباً ۳۹۵ میٹر کا فاصلہ ہے۔ اس کے علاوہ ہر روز دنیا بھر سے عمرہ کرنے والے عمرہ کرنے کے لیے مکہ پہنچتے ہیں اور وہ بھی طواف کعبہ کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں۔ اس طرح صفا و مروہ کے درمیان سعی کا یہ سلسلہ سارے سال جاری رہتا ہے۔

یہ سعی کیا ہے جس کو تمام مسلمان، خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے، پوری وفاداری کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ یہ اسی عظیم خاتون ہاجرہ کے نقش کی پیروی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ہاجرہ کو ان کے چھوٹے بچہ کے ساتھ مکہ کے پاس صحرا میں ڈال دیا تھا۔ اس وقت ان کے پاس صرف ایک مشک پانی تھا۔ مشک جب خالی ہوگئی تو پانی کی تلاش میں وہ اِس پہاڑی سے اُس پہاڑی تک سات بار دوڑی تھیں۔ ان کی یہ دوڑ ان کی عظیم قربانی کا ایک حصہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کو یہ قربانی اتنا زیادہ پسند آئی کہ اس کو حج کے ارکان میں شامل کر دیا گیا اور دنیا بھر کے تمام مسلمانوں پر لازم کر دیا گیا کہ وہ جب حج یا عمرہ کے لیے مکہ آئیں تو اس خاتون کی تقلید میں صفا و مروہ کے درمیان دوڑیں۔

حضرت ہاجرہ کی قربانی سے ایک تاریخ کا آغاز ہوا۔ انھوں نے تاریخ کے سب سے بڑے انقلاب کی ابتدائی بنیاد رکھی۔ گویا کہ انسانی تاریخ میں ان کی حیثیت بانیِ انقلاب کی ہے۔ ان کی اسی قربانی کی بنا پر تمام انسانوں کو ان کے نقش قدم کی پیروی کا حکم دے دیا گیا۔

دور قدیم میں شرک کا رواج اتنا زیادہ بڑھا کہ وہ تہذیب انسانی میں شامل ہو گیا۔ تمام لوگوں کی سوچ مشرکانہ سوچ بن گئی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک کے بعد ایک ہزاروں پیغمبر آئے جنھوں نے لوگوں کو توحید کی طرف بلایا۔ مگر انسانیت کا قافلہ اپنا راستہ بدلنے کے لیے تیار نہیں ہوا۔ اس سلسلہ میں آخری تجربہ حضرت ابراہیم کا تھا، انھوں نے قدیم عراق میں توحید کی دعوت دی۔ مگر لوگ فکری کنڈیشننگ کی وجہ سے شرک کے خلاف سوچنے کے لیے تیار نہ ہو سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قدیم زمانہ میں توحید کی دعوت فکری مرحلہ میں باقی رہی، وہ انقلاب کے مرحلہ تک نہ پہنچ سکی۔ کیونکہ موحدانہ انقلاب برپا کرنے کے لیے انسانوں کی ایک ٹیم مطلوب تھی، اور لوگوں کے عدم ایمان کی وجہ سے ٹیم بننے کی نوبت نہیں آئی۔

اب حضرت ابراہیم نے، وحی الٰہی کے مطابق، ایک نیا منصوبہ بنایا۔ وہ منصوبہ یہ تھا کہ کسی غیر آباد علاقہ میں ایک نسل تیار کی جائے۔ یہ نسل مشرکانہ تہذیب سے دور خالص فطرت کے ماحول میں پرورش پائے۔ تاکہ اس کی فطرت اپنی اصل حالت میں باقی رہے۔ اور پھر اس کے اندر توحید کی دعوت دے کر اس میں سے افراد کار تیار کیے جائیں جو توحید کی بنیاد پر عالمی انقلاب برپا کریں۔

اسی خاص منصوبہ کے تحت چار ہزار سال پہلے حضرت ہاجرہ کو ان کے شیر خوار بچہ اسماعیل کے ساتھ عرب کے صحرا میں بسایا گیا۔ اسماعیل جب بڑے ہوئے تو انھوں نے ایک مناسب لڑکی تلاش کر کے اس سے نکاح کیا۔ پھر ان کی اولاد کے ذریعہ یہاں ایک نسل بننا شروع ہوئی۔ توالد و تناسل کی صورت میں یہ سلسلہ صدیوں تک جاری رہا۔ اس طرح صحرا کے فطری ماحول میں جو انسانی نسل تیار ہوئی اسی کو بنو اسماعیل کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد اپنے وقت پر ان کے درمیان محمد بن عبداللہ بن عبد المطلب پیدا ہوئے۔ آپ نے ان لوگوں سے ایک طاقتور ٹیم تیار کی جس نے جدوجہد کر کے توحید کو فکری مرحلہ سے نکال کر انقلاب کے مرحلہ تک پہنچا دیا۔

اس عظیم منصوبہ کی ابتدا ایک مومنہ کی قربانی سے ہوتی ہے۔ حضرت ہاجرہؓ نے اپنے بچہ کے ساتھ مکہ کے صحرا میں آباد ہو کر اس خدائی منصوبہ کو واقعہ بنایا۔ حضرت ہاجرہؓ کے اسی عظیم رول کی بنا پر ایسا ہے کہ حج اور عمرہ میں تمام دنیا کے مسلمان اس عظیم خاتون کے نقش قدم پر چل کر صفا اور مروہ کے درمیان سعی کا عمل انجام دیتے ہیں۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ عورت اگر عزم کر لے تو وہ کتنا بڑا رول ادا کر سکتی ہے۔

حضرت خدیجہؓ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجموعی طور پر گیارہ خواتین سے نکاح کیا۔ ان کو امہات المومنین کہا جاتا ہے۔ آپ کی پہلی اہلیہ حضرت خدیجہ بنت خُویلد تھیں۔ حضرت خدیجہ آپ کی پہلی بیوی بھی ہیں اور اسی کے ساتھ پہلی مسلمان بھی۔

حضرت خدیجہ ایک مالدار خاتون تھیں۔ وہ مکہ میں بیوہ کی حیثیت سے زندگی گزار رہی تھیں۔ اسی اثناء میں انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مال تجارت دے کر شام بھیجا۔ یہ معاملہ قدیم رواج کے مطابق، کچھ معاوضہ کی بنیاد پر ہوا تھا۔ آپ سفر سے واپس آئے تو آپ نے دوسروں سے زیادہ نفع کا حساب دیا۔ حضرت خدیجہ نہایت شریف خاتون تھیں، ان کے اندر اعتراف کا غیر معمولی مادہ تھا، چنانچہ وہ دوسروں کو ایک اونٹ معاوضہ دیتی تھیں اور آپ کو انھوں نے دو اونٹ معاوضہ میں پیش کیا۔

اس تجربہ کے بعد وہ آنحضرتؐ کی طرف راغب ہوگئیں۔ انھوں نے مکہ کی ایک بوڑھی خاتون کے ذریعہ آپ کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا۔ اس وقت آپ کے چچا ابوطالب آپ کے سرپرست تھے، آپ نے ان سے مشورہ کے بعد اس پیغام کو قبول کرلیا۔ ابوطالب نے خاندانی افراد کی موجودگی میں آپ کا نکاح خدیجہ سے کردیا۔ نکاح کے وقت خدیجہ کی عمر چالیس سال اور آپؐ کی عمر ۲۵ سال تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال ہوئی تو غار حراء میں فرشتہ جبریل آئے اور پہلی وحی آپ تک پہنچائی اور بتایا کہ آپ کو اللہ نے اپنا رسول مقرر فرمایا ہے۔ واپس آکر آپ نے اپنے اس تجربہ کو سب سے پہلے حضرت خدیجہ سے بیان فرمایا۔ حضرت خدیجہ بے حد ذہین اور نہایت نیک بخت خاتون تھیں۔ ان کی سوچ میں کسی قسم کی کوئی کجی نہ تھی۔ انھوں نے فوراً آپ کے بیان کی تصدیق کی۔

اس کے بعد حضرت خدیجہ اٹھیں۔ اپنے اوپر ایک چادر ڈالی اور اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ ورقہ نے مسیحی مذہب اختیار کرلیا تھا اور توراۃ اور انجیل کا مطالعہ کیا تھا۔ حضرت خدیجہ نے جب ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غار حرا کا قصہ بتایا تو ورقہ نے فوراً کہا: اے خدیجہ، اگر تونے سچ کہا تو یہ آنے والا وہی ناموس اکبر تھا جو اس سے پہلے موسیٰ کے پاس آیا تھا۔ بیشک محمدؐ اس امت کے پیغمبر ہیں۔

خدیجہ اب تک صرف آپ کی بیوی تھیں۔ اب وہ نبوت کے کام میں آپ کی ساتھی بن گئیں۔ انھوں نے ہر طرح آپ کی مدد کی۔ اپنی ساری دولت آپ کے حوالے کر دی۔ آپ کے ساتھ ہر قسم کی مصیبتیں برداشت کیں۔ شعب ابی طالب میں آپ کے ساتھ تین سال گزارے جو ناقابل بیان حد تک تکلیف دہ تھے۔ مگر ان سب کے باوجود کبھی ایک بار بھی اف کا کلمہ آپ کی زبان سے نہیں نکلا۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ مکہ میں ایک دن حضرت جبریلؑ آپ کے پاس آئے اور کہا کہ اے خدا کے رسولؐ، یہ خدیجہ آپ کے پاس آ رہی ہیں۔ ان کے ساتھ ایک برتن ہے جس میں کچھ کھانا ہے۔ جب وہ آپ کے پاس آجائیں تو ان کو ان کے رب کی طرف سے سلام پہنچا دیجئے اور میری طرف سے بھی۔ اور ان کو جنت میں ایک ایسے گھر کی بشارت دیجئے جو موتی کا بنا ہوا ہوگا، اس میں نہ کوئی شور ہوگا اور نہ کوئی تکلیف (بشّرها ببيتٍ في الجنةِ مِن قصَبٍ لاصخَبَ فيه ولا نصَبَ) فتح الباری بشرح صحیح البخاری ۷/۱۶۶

اس بشارت کا پس منظر یہ ہے کہ اس وقت مکہ میں قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی کے ساتھ حضرت خدیجہ کو سخت پریشان کر رکھا تھا، آپ کے مکان کے پاس آکر شور کرتے۔ آپ کے راستہ میں کانٹا ڈالتے۔ آپ کو مختلف قسم کی تکلیفیں پہنچاتے۔ اس کے نتیجہ میں حضرت خدیجہ کی پرسکون اور پرمسرت زندگی بالکل برباد ہو گئی تھی۔ رسول اللہؐ سے نکاح ان کے لیے سادہ طور پر نکاح نہیں تھا بلکہ اپنے آپ کو مصیبتوں کے طوفان میں ڈال دینے کے ہم معنی تھا۔

اس وقت آپ کو مذکورہ بشارت دی گئی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہ راست آپ کو یہ خوش خبری دی گئی کہ دنیا میں لوگ اگر تم کو پریشان کر رہے ہیں تو اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ آخرت کی ابدی زندگی میں ہم نے تمہارے لیے ایسا پر راحت محل تیار کر رکھا ہے جو موتیوں اور جواہرات سے بنایا گیا ہوگا اور اس میں ہمیشہ کے لیے ایک ایسی پرسکون زندگی حاصل ہوگی جہاں نہ کسی کا شور داخل ہوگا اور نہ کوئی تکلیف دینے والا کبھی تم کو کوئی تکلیف پہنچا سکے گا۔

حضرت خدیجہ کو یہ انعام اس لیے دیا گیا کہ انھوں نے آنحضورؐ کے ساتھ اس طرح وفادارانہ زندگی گزاری کہ کبھی کسی چیز کے لیے شکایت نہیں کی۔ آپ نے نبوت کا اعلان کیا تو کسی ہچکچاہٹ کے بغیر فوراً آپ کی تصدیق کی۔ آپ کے مشن میں آخر وقت تک وہ آپ کی ساتھی بنی رہیں۔

حضرت عائشہ رض

حضرت عائشہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ ہجرت سے آٹھ سال پہلے مکہ میں پیدا ہوئیں۔ ۶۶ سال کی عمر میں ۵۸ھ میں انتقال کیا۔ حضرت خدیجہ رض کے انتقال کے بعد خولہ بنت حکیم نے آپ کی طرف سے حضرت ابوبکر کو نکاح کا پیغام دیا۔ حضرت ابوبکر رض نے کہا کہ اس سے پہلے مطعم بن عدی اپنے بیٹے جُبیر سے عائشہ کے نکاح کا پیغام دے چکے ہیں۔ اس کو میں نے منظور بھی کرلیا ہے۔ اور خدا کی قسم ابوبکر نے کبھی کسی وعدہ کے خلاف نہیں کیا (واللہِ ما اخلفَ ابوبکرٍ وعداً قطّ)

حضرت ابوبکر صدیق اس کے بعد مطعم کے یہاں جاکر اس سے ملے۔ اس سے پوچھا کہ عائشہ سے اپنے بیٹے کے نکاح کی بابت تمہارا کیا خیال ہے۔ مطعم نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس معاملہ میں تم کیا کہتی ہو۔ بیوی نے حضرت ابوبکر سے مخاطب ہوکر کہا کہ تم سے رشتہ کرنے میں مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہیں میرا لڑکا صابی (بے دین) ہوجائے اور اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر تمہارے مذہب (اسلام) میں داخل ہوجائے۔ ابوبکر دوبارہ مطعم بن عدی سے مخاطب ہوئے اور پوچھا کہ اے مطعم، تم کیا کہتے ہو۔ مطعم نے جواب دیا کہ میری بیوی نے جو کچھ کہا وہ آپ نے سن لیا۔

اس طرح مطعم اور اس کی بیوی دونوں نے رشتہ سے انکار کردیا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر نے سمجھ لیا کہ وعدہ کی ذمہ داری ان کے اوپر نہیں ہے۔ اب حضرت ابوبکر نے خولہ سے کہہ دیا کہ تمہارا پیغام مجھے منظور ہے۔ اس کے بعد مقررہ وقت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رض کے مکان پر گئے، وہاں عائشہ سے آپ کا نکاح ہوا۔ مہر چار سو درہم مقرر ہوا۔

اس واقعہ میں یہ سبق ہے کہ معاشرتی معاملات میں اگر کبھی کوئی بات ٹوٹ جائے تو اس سے دل گرفتہ نہیں ہونا چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے بعد کوئی نیا خیر نکلنے والا ہو۔ چنانچہ سردار مکہ کے لڑکے سے عائشہ کا رشتہ ٹوٹا، مگر اس کے بعد انھیں پیغمبر اعظم کی بیوی بننے کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت عائشہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بہت چھوٹی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی وفات کے بعد وہ تقریباً ۵۰ سال تک زندہ رہیں۔ اس نامساوی نکاح کی مصلحت یہ تھی کہ عائشہ رض بے حد ذہین تھیں۔ ان کے اندر اخذ (grasp) کی بے پناہ صلاحیت تھی۔ اس نکاح نے ان کی خداداد صلاحیت

کو سارے عالم کے لیے مفید بنا دیا۔

حضرت عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تقریباً دس سال رہیں۔ اس مدت میں انھوں نے رات دن آپ کو دیکھا اور آپ کی تمام باتیں سنیں۔ اس طرح علم دین اور حکمت اسلام کا بہت بڑا ذخیرہ ان کے دماغ میں جمع ہو گیا۔ رسول اللہ ؐ کی وفات کے بعد انھوں نے اس علم نبوی کو امت تک پہنچایا۔ وہ تقریباً نصف صدی تک زندہ ٹیپ ریکارڈر بنی رہیں۔

حافظ ابن حجر ان کی بابت لکھتے ہیں کہ عائشہ کی پیدائش ہجرت سے تقریباً آٹھ سال پہلے ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو وہ تقریباً ۱۸ سال کی تھیں۔ انھوں نے آپ سے بہت سی باتیں یاد رکھیں اور آپ کے بعد تقریباً ۵۰ سال تک زندہ رہیں۔ لوگوں نے ان سے بہت زیادہ باتیں اخذ کیں۔ اور احکام و آداب میں سے بہت سی چیزیں ان سے نقل کیں۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ احکام شریعت کا چوتھائی حصہ ان سے نقل کیا گیا ہے۔ ان کی وفات امیر معاویہ کی خلافت کے زمانہ میں ۵۸ھ میں ہوئی (فتح الباری ۱۳۴/۷)

حضرت عائشہ ؓ سے اقوال رسول ؐ بہت زیادہ منقول نہیں ہیں۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو نہایت غور سے سنا۔ آپ کے ہر عمل کو نہایت توجہ سے دیکھا اور پھر اپنی خداداد ذہانت سے اس کی حکمتیں معلوم کیں۔ ان کا کلام اسلامی حکمت اور معرفت کا خزانہ ہے۔ مثال کے طور پر انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوتا تو آپ ہمیشہ دونوں میں سے آسان کا انتخاب فرماتے تھے۔ ان کے اس ایک قول میں معانی کا خزانہ چھپا ہوا ہے۔

حضرت خدیجہ ؓ نے اپنی ذہانت کو خالص اسلام کے لیے استعمال کیا۔ اسی کے ساتھ انھوں نے زہد کو اپنا شعار بنایا۔ بعد کے زمانہ میں آپ کے پاس کثرت سے مال آتا تھا۔ مگر آپ سارا مال لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیتی تھیں اور خود نہایت سادہ زندگی گزارتی تھیں۔ ایک بار حضرت عبداللہ بن زید نے ان کے پاس ایک لاکھ ۸۰ ہزار درہم بھیجے۔ آپ نے سارا درہم شام تک خیرات کر دیا۔ جبکہ اس دن آپ روزہ سے تھیں اور گھر میں روٹی اور زیتون کے تیل کے سوا کوئی اور چیز موجود نہ تھی۔ خادمہ نے کہا کہ آپ کچھ درہم بچا کر گوشت منگا لیتیں تو اچھا ہوتا۔ فرمایا کہ تم نے پہلے یاد دلایا ہوتا تو منگا لیتی۔

یہ زہد ہی حکمت کا دروازہ ہے۔ جو یہ چاہتا ہو کہ خدائی معرفت اور اسلامی حکمت کا چشمہ ان کے ذہن میں جاری ہو اس کو اس دنیا میں مادی چیزوں سے بے رغبت ہو کر رہنا ہوگا۔

ایمان کی طاقت

شیخ حمید الدین ابو حاکم قریشی (۷۴۳ - ۷۰۵ھ) ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئے جو کیچ اور مکران کے علاقہ پر حکومت کر رہا تھا۔ اپنے والد سلطان بہاء الدین کے انتقال کے بعد وہ تخت سلطنت پر بیٹھے اور ۲۱ سال تک شان و شوکت کے ساتھ حکومت کی۔

"ذکر کرام" میں ان کے واقعات کے ذیل میں لکھا ہے کہ شیخ حمید الدین کے ساتھ ایک چھوٹا سا واقعہ پیش آیا جس نے ان کی زندگی کا رخ بدل دیا اور "سلطان کے بجائے ان کو "شیخ" بنا دیا۔

شیخ حمید الدین اپنی حکومت کے زمانہ میں دو پہر کو اپنے ایک باغ میں قیلولہ کیا کرتے تھے۔ اس باغ میں ان کا ایک محل تھا۔ اس محل کی نگرانی نونیت نامی ایک مسلم خادمہ کے سپرد تھی۔ اس مسلم خادمہ کے ذمہ یہ کام تھا کہ ہر روز وقت پر وہ بستر بچھا دے تاکہ شیخ حمید الدین آکر اس پر آرام کر سکیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز شیخ کے آنے سے پہلے خادمہ نے بستر بچھایا تو اس کو بستر بہت اچھا لگا۔ وہ اس پر کچھ دیر کے لیے لیٹ گئی۔ ابھی وہ بستر سے اٹھی نہیں تھی کہ اس کو نیند آگئی۔ شیخ حمید الدین جب معمول کے مطابق آرام کرنے کے لیے محل پہنچے تو دیکھا کہ خادمہ نونیت بستر پر پڑی سو رہی ہے۔ سلطان کے بستر پر خادمہ کو سویا ہوا دیکھ کر انھیں غصہ آگیا۔ انھوں نے حکم دیا کہ اس گستاخی پر خادمہ کو سو کوڑوں کی سزا دی جائے۔

حکم کی فوراً تعمیل ہوئی اور خادمہ کو کوڑے مارے جانے لگے۔ مگر یہ عام قسم کی خادمہ نہیں تھی۔ بلکہ وہ مومنہ اور مسلمہ تھی۔ چنانچہ شیخ حمید الدین کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ خادمہ آہ و واویلا نہیں کر رہی ہے، بلکہ ہر کوڑے پر ہنس پڑتی ہے۔ انھوں نے سزا کو روک کر خادمہ کو بلایا اور اس سے خلاف معمول ہنسنے کی وجہ پوچھی۔ خادمہ نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا :

"مجھے خیال آیا کہ جب اس نرم بستر پر ایک بے اختیارانہ نیند کی یہ سزا ہے تو ان لوگوں کا انجام کیا ہوگا جو روزانہ اس نرم بستر پر آرام کرتے ہیں"

خادمہ کے اس جواب کا سلطان حمید الدین پر اتنا اثر ہوا کہ ان کی زندگی بالکل بدل گئی۔ وہ سلطان کے بجائے شیخ بن گئے۔ وہ دنیا اور اس کی لذتوں سے بے رغبت ہو گئے۔ یہاں تک کہ درویشی کی زندگی اختیار کر لی۔ سلطنت چھوڑ کر شیخ حمید الدین لاہور آئے۔ یہاں حضرت سید احمد توختہ (جو ان کے نانا بھی ہوتے تھے) کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے ہاتھ پر طریقہ شطاریہ میں بیعت کی اور ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد

ان کی خلافت حاصل کی۔ شیخ حمید الدین نے ۱۶۷ سال کی عمر پائی۔ آخر عمر میں وہ اُچ اور سکھر کے درمیانی علاقہ میں تبلیغ و ارشاد کا کام کرتے رہے۔ اس علاقہ میں بہت سے لوگ ان کے ہاتھ پر ایمان لائے (تذکرۂ صوفیاء پنجاب از اعجاز الحق قدوسی)

ایک عورت اگر صحیح معنوں میں ایمان اور اسلام پر ہو تو وہ خادمہ ہو کر بھی مالک سے زیادہ طاقت ور ہو جاتی ہے۔ اس کا ایک جملہ بادشاہ کو تڑپانے کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ اسلام کی تاریخ میں ایسی خواتین بہت ہیں جنھوں نے اپنے ایک مومنانہ کلمہ سے بڑے بڑے لوگوں کی زندگیاں بدل دیں۔

بنو عباس کے آخری زمانہ میں تاتاریوں نے مسلم دنیا کو پامال کر ڈالا۔ ایک مؤرخ کے الفاظ میں: اسلام کی تاریخ میں کوئی واقعہ ایسا نہیں ہے جس کا مقابلہ دہشت انگیزی اور غارت گری میں تاتاری حملہ سے کیا جا سکے۔ جس طرح کسی پہاڑ سے بہت بڑا تودہ کسی بستی پر آگرے اسی طرح تاتاریوں کے وحشی لشکر اسلامی تہذیب و تمدن کے مرکزوں پر ٹوٹ پڑے اور اپنے پیچھے ویران صحرا اور بھیانک کھنڈر کے سوا کچھ اور نہیں چھوڑا۔

جیسا کہ معلوم ہے، یہ المناک حادثہ دوبارہ اس طرح بدلا کہ وحشی تاتاری اسلام قبول کر کے اسلام کے حامی اور پاسباں بن گئے۔ یہ انقلابی واقعہ جن لوگوں کے ذریعہ انجام پایا ان میں بڑی تعداد عورتوں کی تھی۔ تاتاریوں نے مسلم دنیا کو تاراج کرنے کے بعد مردوں کو قتل کیا اور عورتوں کو لونڈی بنالیا۔ یہ خواتین جو تاتاری گھروں میں زبردستی داخل کی گئی تھیں، انھوں نے خاموشی کے ساتھ تاتاریوں پر اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ یہاں تک کہ ان کی اکثریت کو اسلام میں داخل کر دیا۔ The Preaching of Islam, pp. 226-234

تاتاریوں (مغلوں) کا پہلا فرماں روا جس نے اسلام قبول کیا وہ برکہ خان تھا۔ اس نے ۱۲۵۶ء سے لے کر ۱۲۶۷ء تک حکومت کی۔ برکہ خان کی ماں ایک مسلمان تھی۔ اس نے بچپن سے اس کی تربیت اسلامی انداز پر کی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ بڑا ہو کر مسلمان ہو گیا۔ اسی طرح غازان خان کا بھائی الجائتو اپنی مسلمان بیوی کی ترغیب سے اسلام لے آیا۔ وغیرہ۔

اسلامی خواتین کی تاریخ اس قسم کے کارناموں سے بھری ہوئی ہے۔

ایک گواہی

امریکہ کے سفر میں مجھے ایک امریکی خاتون کا حال معلوم ہوا جنھوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اب وہ ایک پاکستانی مسلمان نصیر احمد مرزا سے نکاح کر کے اوٹا (Utah) میں رہتی ہیں۔ ان کا نام جے عائشہ مرزا (Jeanine Aisha Mirza) ہے۔ ان کا ایک انٹرویو میں نے پڑھا۔ اس کا ایک حصہ یہ تھا کہ اکثر امریکی یہ سمجھتے ہیں کہ مسلم بیویاں زیادتی کا شکار ہوتی ہیں۔ مگر ان کے نزدیک یہ خیال درست نہیں۔ یہ تو محض ایک تقسیم ہے۔ گھر کے باہر میرا شوہر باس ہے۔ لیکن گھر کے اندر میں باس ہوں :

> While most Americans are under the impression that Muslim wives are opressed. Mirza said, she hasn't found that to be true. "It's just a different division. Outside the home, my husband's the boss. But in my house, I'm the boss."

اس طرح کے متعدد واقعات میرے علم میں آئے۔ امریکہ کی لڑکیاں سفید فام نسل کے لڑکوں سے شادی کرنے میں متردد رہتی ہیں۔ کیوں کہ انھیں ہر وقت طلاق کا ڈر لگا رہتا ہے۔ اس بنا پر اکثر سنجیدہ لڑکیاں مسلمان لڑکوں سے شادی کرنا پسند کرتی ہیں۔ یہ لڑکے وہ ہیں جو تعلیم کے مقصد سے امریکہ آتے ہیں۔ اس طرح کی شادیاں اسلام کی تبلیغ کا ذریعہ بھی بن رہی ہیں۔ کیوں کہ اخبار کے لوگ ان امریکی لڑکیوں سے سوالات کرتے ہیں۔ اور وہ نہایت عمدہ انداز میں اسلام کی طرف سے دفاع کرتی ہیں، جس کی ایک مثال اوپر نقل ہوئی۔

مذکورہ امریکی خاتون نے اپنے تجربہ کی روشنی میں اسلام کے اصول کی نہایت درست ترجمانی کی ہے۔ اسلام میں عورت کے درجہ کو مرد کے مقابلہ میں گرایا نہیں گیا ہے۔ بلکہ برابری کے اصول پر دونوں کے درمیان تقسیم کار کا نظام قائم کیا گیا ہے۔ اسلام نے زندگی کے معاملات کو دو بڑے حصوں میں بانٹ دیا ہے۔ ایک بیرونی حصہ، دوسرا اندرونی حصہ۔ اسلام کے مطابق، بیرونی حصۂ حیات کا انچارج مرد ہے اور اندرونی حصۂ حیات کی انچارج عورت۔

یہ تقسیم کار دونوں کے لیے نہایت موزوں ہے۔ اس طرح زندگی کے ایک شعبہ میں مرد اپنی پوری طاقت لگانے کے لیے آزاد ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عورت زندگی کے دوسرے شعبہ میں آزاد

ہے کہ وہ اپنی پوری توجہ کو استعمال کرتے ہوئے اس کو بخوبی طور پر منظم کرے۔

یہ تقسیم ایک اعتبار سے آزادانہ حیثیت رکھتی ہے۔ اور دوسرے اعتبار سے اس کی حیثیت دندانہ دار پہیہ (cog wheel) جیسی ہے۔ دندانہ دار پہیہ میں ہر پہیہ کی اپنی الگ شخصیت ہوتی ہے۔ اس کے باوجود دونوں پوری طرح ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک کا عمل دوسرے سے بندھا ہوا ہوتا ہے۔ ان کی درست کارکردگی کا انحصار اس پر ہوتا ہے کہ دونوں پوری طرح ایک دوسرے کا ساتھ دے رہے ہوں۔

عورت کو اپنے نقشہ حیات میں اسی احساس کے ساتھ رہنا ہے۔ اس کو یہ سمجھنا ہے کہ وہ دندانہ دار پہیہ کے دو برابر کے پرزوں میں سے ایک پرزہ ہے۔ اس کے مل کر چلنے سے پورا پہیہ چلے گا، اور اس کے نہ چلنے سے پورا پہیہ رک جائے گا اور اسی کے ساتھ زندگی کا پورا نظام بھی۔

تقسیم کار کے معاملہ کا تعلق صرف عورت اور مرد سے نہیں ہے۔ وہ ایک عام اصول ہے جس پر فطرت کا پورا نظام قائم ہے۔

آپ ایک بزنس ہاؤس قائم کریں جہاں بہت سے لوگ کام کر رہے ہوں۔ آپ کو یہ کرنا ہوگا کہ کچھ لوگوں کو آفس میں بٹھائیں اور کچھ لوگوں کو فیلڈ میں متحرک کریں۔ یہ تقسیم ہر کاروبار کو کامیابی کے ساتھ چلانے کے لیے ضروری ہے۔ کسی کاروبار یا کسی آرگنائزیشن کے کارکن اگر اس تقسیم عمل پر راضی نہ ہوں تو ایسے کاروبار یا آرگنائزیشن کا ناکام ہو جانا یقینی ہے۔

یہی معاملہ کاروبار حیات کا ہے۔ زندگی کے لیے خدا نے یہ طریقہ بنایا ہے کہ عورت اور مرد دونوں مل کر اسے چلائیں۔ پھر ان دونوں کے لیے بنیادی دائرہ کار مقرر کر دیا ہے اور ہر ایک کے اندر مخصوص طور پر وہی صلاحیتیں رکھ دی ہیں جو اس کو اپنے دائرہ کے کام کو بخوبی طور پر انجام دینے کے لیے ضروری ہیں۔

اب عقل اور شریعت دونوں کا تقاضا ہے کہ ہر جنس اپنے اپنے دائرہ عمل پر راضی رہ کر اپنے حصہ کا کام پوری توجہ کے ساتھ انجام دے۔ نہ مرد عورت بننے کی کوشش کرے اور نہ عورت مرد کی نقل کرے۔ جو عورت اور مرد خدا کے اس بندوبست پر راضی ہوں وہ خدا کی مدد سے دنیا میں بھی کامیاب ہوں گے اور آخرت میں بھی کامیاب۔

تین مرحلے

ایک عورت کو اپنی زندگی میں تین بڑے مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ سب سے پہلے وہ اپنے والدین کے ساتھ ایک لڑکی کی صورت میں اپنے صبح و شام بسر کرتی ہے۔ اس کے بعد اس کا نکاح ہوتا ہے اور وہ بیوی کی حیثیت سے اپنے شوہر کے گھر منتقل ہوتی ہے۔ اس کے بعد اس کے یہاں بچے پیدا ہوتے ہیں اور اس کی حیثیت ماں کی بن جاتی ہے۔

یہ تینوں مرحلے تقریباً ہر عورت کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے تقاضے الگ الگ ہیں اور ہر دور میں عورت کو اس کے لحاظ سے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنا ہے تاکہ اس کی ترقی جاری رہے اور وہ آخری کامیابی کی منزل تک پہنچ سکے۔ ان تینوں مرحلوں میں عورت کو جو کام کرنا ہے اس کو تین عنوانات کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے ـــــــ تعلیم، خانہ آبادی، تربیت نسل۔

پہلے مرحلہ میں جب کہ عورت کی حیثیت ایک لڑکی کی ہوتی ہے، اس کی سب سے بڑی ذمہ داری تعلیم کا حصول ہے۔ زندگی کا یہی وہ تعمیری دور ہے جس کے بارہ میں کہا گیا ہے کہ علم کا حصول ہر مومن مرد اور ہر مومن عورت پر فرض ہے (طلب العلم فریضۃ علی کل مومن ومومنۃ)

تعلیم زندگی کی تعمیر ہے۔ تعلیم ہی کے ذریعہ انسان حقیقی معنوں میں انسان بنتا ہے۔ تعلیم ہی کے ذریعہ ذہن اس ارتقائی حالت تک پہنچتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور دوسروں کو سمجھے۔ وہ دنیا اور آخرت سے سچی واقفیت حاصل کرے۔ وہ مراحل حیات میں کھلی آنکھ اور کھلے ذہن کے ساتھ داخل ہو اور صحیح طور پر اپنی ذمہ داریوں کو ادا کر سکے۔

ایک عورت جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتی ہے تو اس کی حیثیت ایک خام مادہ کی ہوتی ہے۔ اس کے اندر تمام فطری صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں مگر یہ صلاحیتیں خام حالت میں ہوتی ہیں۔ ان صلاحیتوں کو جلا دینے کا کام تعلیم کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔ تعلیم گویا لوہے کو اسٹیل بناتی ہے، وہ فطری امکانات کو واقعہ کے روپ میں تشکیل دیتی ہے۔

تعلیم عورت کی شخصیت کو مکمل کرتی ہے۔ ہر عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ تعلیم حاصل کرے، عورت جتنی زیادہ صاحب علم ہوگی اتنا ہی زیادہ وہ اس دنیا میں اپنی ذمہ داریوں کو ادا کر سکے گی۔

تعلیم کے دو پہلو ہیں۔ ایک کو سیکولر تعلیم اور دوسرے کو دینی تعلیم کہہ سکتے ہیں۔ عورت کے لیے دونوں ہی ضروری ہیں، اگرچہ دونوں کی نوعیت ایک دوسرے سے جدا ہے۔ سیکولر تعلیم اگر ضرورت حیات کے درجہ میں مطلوب ہے تو دینی تعلیم مقصد حیات کے درجہ میں درکار ہے۔

سیکولر تعلیم عورت کو زندگی کا شعور عطا کرتی ہے۔ وہ اس کو سوچنے اور رائے قائم کرنے کا طریقہ بتاتی ہے۔ انسانی نفسیات کیا ہے۔ زمانہ کے تقاضے کیا ہیں۔ قوم اور ملک کی تاریخ کیا ہے۔ وہ انسانی حالات کیا ہیں جن کے درمیان اس کو زندگی کا امتحان دینا ہے۔ یہ تمام چیزیں اس کو سیکولر تعلیم یا دنیوی تعلیم کے ذریعہ معلوم ہوتی ہیں۔ اس تعلیم کو حاصل کرنا عورت کے لیے انتہائی ضروری ہے، اس کے بغیر وہ اپنے فرائض حیات کو کامیابی کے ساتھ ادا نہیں کر سکتی۔

دینی تعلیم کی حیثیت مقصدی ہے۔ ہر عورت پر لازم ہے کہ وہ ضروری حد تک قرآن اور حدیث کا علم حاصل کرے۔ وہ صحابہ اور صحابیات کی زندگیوں کو جانے۔ وہ اسلام کی تاریخ سے بقدر ضرورت واقف ہو۔ وہ جانے کہ انسان کے لیے اسلام کا عطیہ کیا ہے۔

عورت اگر عربی زبان سیکھ سکے تو بہت اچھی بات ہے۔ ورنہ اپنی مادری زبان میں اس کو قرآن کا ترجمہ پڑھنا چاہیے اور بار بار اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ کیوں کہ قرآن کی حیثیت دین میں اساس کی ہے۔ قرآن کی تعلیمات سے واقفیت کے بغیر دین کا فہم و ادراک ممکن نہیں۔

اس کے بعد عورت کو احادیث کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اگر وہ عربی زبان جانے اور عربی میں پڑھ سکے تو زیادہ بہتر ہے، ورنہ آج ہر زبان میں حدیث اور سیرت پر کتابیں موجود ہیں۔ اس کو چاہیے کہ اپنی زبان میں اس موضوع پر کتابیں حاصل کرے اور اہتمام کے ساتھ ان کا مطالعہ کرے۔

اس کے بعد صحابہ کے حالات اور دوسری دینی شخصیتوں کے حالات کا معاملہ ہے۔ ان پر بھی ہر زبان میں کثرت سے کتابیں موجود ہیں۔ ہر عورت کے لیے ضروری ہے کہ ان کتابوں کو اپنے حالات کے اعتبار سے پڑھے اور اس میں پوری آگہی حاصل کرے۔

عورت کی زندگی کا دوسرا مرحلہ وہ ہے جب کہ اس کا نکاح ہوتا ہے اور وہ کسی مرد کی بیوی بن کر نئے گھر میں منتقل ہوتی ہے۔ اس دوسرے دور حیات میں اس کی جو ذمہ داریاں ہیں اس کو ایک لفظ

میں خانہ آبادی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اب عورت محض ایک فرد نہیں رہی، وہ سماج کا ایک ایسا جزء بن جاتی ہے جس کے بغیر نہ وہ خود مکمل ہے اور نہ سماج۔

خانہ آبادی کے اس دور میں عورت کو جس طرح رہنا ہے، اس کو ایک لفظ میں حسن معاشرت کہا جاسکتا ہے۔ قرآن میں مردوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ تم عورتوں کے ساتھ اچھی طرح گزر کرو (عاشروھن بالمعروف) اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تم کو پسند نہ ہو مگر اللہ نے اس میں تمہارے لیے بہت بڑی بھلائی رکھ دی ہو (النساء ۱۹)

یہ بات جو مردوں سے کہی گئی وہی عورتوں سے متعلق بھی ہے۔ عورت کو بھی اسی ذہن کے ساتھ اپنا گھر بسانا ہے کہ خانہ آبادی میں اصل اہمیت ذاتی پسند ناپسند کی نہیں ہے بلکہ مجموعی انسانی فلاح کی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ذاتی اعتبار سے ایک چیز آپ کو پسند نہ آتی ہو مگر مجموعی انسانیت کے اعتبار سے اس میں خیر ہو۔ اس لیے گھر کے اندر ناموافق باتوں کو نباہتے ہوئے ہنسی خوشی زندگی گزارنا ہے۔

تیسرا مرحلہ وہ ہے جب کہ عورت ماں بن جاتی ہے۔ اب اس کی ذمہ داریوں کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ یعنی اگلی نسل کی تیاری میں اپنا حصہ ادا کرنا۔ ہر گھر یا خاندان گویا کہ وسیع تر انسانیت کی ایک اکائی ہے۔ اکائیوں کی درستگی سے مجموعہ درست ہوتا ہے۔ اب عورت کو یہ کرنا ہے کہ اپنی اکائی کو درست کرنے میں لگ جائے تاکہ وسیع تر انسانی معاشرہ درست معاشرہ بن سکے۔

عورت کو اپنے بچوں کو بہترین تعلیم دینا ہے۔ اس کو اعلیٰ انسانی اخلاق سکھانا ہے۔ اس کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ اپنے گھر میں اور اپنے سماج میں ایک شریف اور دیانت دار انسان کی حیثیت سے رہ سکے۔ عورت کو اپنی اولاد کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ دنیا میں انسانوں کے حقوق ادا کرنے والے بنیں، اور آخرت میں خدا کی رضا کے مستحق قرار پائیں۔

عربی کا مقولہ ہے: التعلیم فی الصغر کالنقش فی الحجر۔ یعنی کم عمری کی تعلیم پتھر میں نقش کی مانند ہے (فتح الباری ۸/ ۷۰۲)۔ بچہ میں یہ حجری نقش بنانا ماں ہی کا کام ہے۔ اگر عورت اس امکان کو پوری طرح استعمال کرے تو اس کی آغوش میں پلا ہوا بچہ ایک ایسا انسان بن کر ابھرے گا جو انسانی دنیا کے لیے ایک قیمتی سرمایہ ہو نہ کہ کوئی بوجھ۔

وہی عورت کامل عورت ہے جو ان تینوں ذمہ داریوں میں پوری اترے۔

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

God Arises	Rs. 95/-
Muhammad: The Prophet of Revolution	85/-
Islam As It Is	55/-
God-Oriented Life	70/-
Religion and Science	45/-
Indian Muslims	65/-
The Way to Find God	-
The Teachings of Islam	-
The Good Life	-
The Garden of Paradise	-
The Fire of Hell	-
Man Know Thyself!	8/-
Muhammad: The Ideal Character	5/-
Tabligh Movement	25/-
Polygamy and Islam	10/-
Words of the Prophet	75/-
Islam: The Voice of Human Nature	30/-
Islam: Creator of the Modern Age	55/-
Woman Between Islam and Western Society	95/-
Woman in Islamic Shari'ah	65/-
Hijab in Islam	20/-

اُردو

	Rs.
تذکیر القرآن جلد اول	200/-
تذکیر القرآن جلد دوم	200/-
اللہ اکبر	45/-
پیغمبرِ انقلاب	40/-
مذہب اور جدید چیلنج	45/-
عظمتِ قرآن	50/-
عظمتِ اسلام	50/-
عظمتِ صحابہ	7/-
دین کامل	50/-
الاسلام	40/-
ظہورِ اسلام	70/-
اسلامی زندگی	25/-
احیاءِ اسلام	40/-
رازِ حیات	50/-
صراطِ مستقیم	40/-
خاتون اسلام	50/-
سوشلزم اور اسلام	70/-
اسلام اور عصرِ حاضر	50/-
الربانیہ	40/-
کاروانِ ملت	45/-
حقیقتِ حج	30/-
اسلامی تعلیمات	25/-
اسلام دورِ جدید کا خالق	25/-
حدیثِ رسول	35/-
سفرنامہ (غیر ملکی اسفار)	85/-
سفرنامہ (ملکی اسفار)	–
میوات کا سفر	35/-
قیادت نامہ	–
راہِ عمل	25/-
تعبیر کی غلطی	95/-
دین کی سیاسی تعبیر	20/-
امہات المومنین	20/-
عظمتِ مومن	7/-
اسلام ایک عظیم جدوجہد	3/-
تاریخ دعوتِ حق	5/-
مطالعۂ سیرت	12/-
ڈائری جلد اول	100/-
کتاب زندگی	55/-
انوارِ حکمت	–
اقوالِ حکمت	25/-
تعمیر کی طرف	8/-
تبلیغی تحریک	20/-
تجدیدِ دین	35/-
عقلیاتِ اسلام	50/-
مذہب اور سائنس	–
قرآن کا مطلوب انسان	8/-
دین کیا ہے	5/-
اسلام دینِ فطرت	7/-
تعمیرِ ملت	7/-
تاریخ کا سبق	7/-
فسادات کا مسئلہ	5/-
انسان اپنے آپ کو پہچان	8/-
تعارفِ اسلام	5/-
اسلام پندرھویں صدی میں	10/-
راہیں بند نہیں	12/-
ایمانی طاقت	7/-
اتحادِ ملت	7/-
سبق آموز واقعات	7/-
زلزلۂ قیامت	20/-
حقیقت کی تلاش	12/-
پیغمبرِ اسلام	5/-
آخری سفر	7/-
اسلامی دعوت	7/-
خدا اور انسان	12/-
حل یہاں ہے	10/-
سچا راستہ	8/-
دینی تعلیم	12/-
حیاتِ طیبہ	7/-
باغِ جنت	7/-
نارِ جہنم	7/-
خلیج ڈائری	10/-
رہنمائے حیات	7/-
مضامینِ اسلام	45/-
تعددِ ازواج	10/-
ہندستانی مسلمان	40/-
روشن مستقبل	7/-
صومِ رمضان	12/-
علمِ کلام	9/-
اسلام کا تعارف	2/-
علماء اور دورِ جدید	8/-
سیرتِ رسول	10/-
ہندستان آزادی کے بعد	1/-
مارکسزم تاریخ جس کو رد کر چکی ہے	7/-
سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ	4/-
منزل کی طرف	2/-
الاسلام یتحدیٰ (عربی)	85/-

ھندی

سچائی کی تلاش	8/-
انسان اپنے آپ کو پہچان	4/-
پیغمبرِ اسلام	4/-
سچائی کی کھوج	10/-
آخری سفر	8/-
اسلام کا پریچے	8/-
پیغمبرِ اسلام کے مہان ساتھی	8/-
راستے بند نہیں	7/-
جنت کا باغ	8/-
بہو پتنی واد اور اسلام	10/-
اتہاس کا سبق	9/-
اسلام ایک سوابھاوک مذہب	8/-
اجول بھوش	8/-
پوتر جیون	8/-
منزل کی اور	3/-

آڈیو کیسٹ	Rs.
حقیقتِ ایمان	25/-
حقیقتِ نماز	25/-
حقیقتِ روزہ	25/-
حقیقتِ زکوٰۃ	25/-
حقیقتِ حج	25/-
سنتِ رسول	25/-
میدانِ عمل	25/-
رسول اللہ کا طریقِ کار	25/-
اسلامی دعوت کے جدید امکانات	25/-
اسلامی اخلاق	25/-
اتحادِ ملت	25/-
تعمیرِ ملت	25/-
نصیحتِ لقمان	25/-

AL-RISALA BOOK CENTRE
1, Nizamuddin West Market, New Delhi 110 013, Tel. 4611128, Fax 4697333

RNI 2822/76 • U(SE) 12/96
Delhi Postal Regd. No. DL/11154/96